# ہنگامی حالات کا شرعی تصور

تحریر: مولانا مفتی محمد عیسیٰ گورمانی، مہتمم مدرسہ فتاح العلوم نوشہرہ سانسی، گوجرانولہ

## قسط اول

**قانون کا تقاضا اور انتظامی ذمہ داری** قانون کا وضع کرنا، نظام سلطنت اور انتظامی امور کو صحیح نہج پر چلانے سے متعلق ہوتا ہے۔ پبلک کیلئے تحفظ اور بحالی حق کی ضمانت مہیا کرنا بھی قانون کی ذمہ داری میں داخل ہے۔

نظام اور انتظام کا مسئلہ قیام امن سے وابستہ ہے۔ اصل غرض وغایت اس سرزمین میں انسان کیلئے امن وامان۔ اطمینان اور سکون کی فضا قائم کرنا ہے۔ تاکہ وہ اپنی اس چندروزہ مستعار زندگی میں اپنی خداداد صلاحیت کے مطابق کچھ کرسکے اور بامقصد زندگی بسر کرسکے۔

ظاہر ہے کہ دنیا میں مسائل اور حوادث کا سیلاب ہے۔ تھمنے میں نہیں آتا۔ اور ہمارے سابق وضع کردہ قوانین کا دائرہ تنگ ہے۔

## قانون کے ماخذ ومراجع

ہر دور میں علماء امت کے وقتی اور ہنگامی فیصلے کتاب وسنت سے مستنبط کلیات اور اصول ایک ایسا سرمایہ ہیں جس کو فنا نہیں۔ اسلامی حیات کی ہر ضرورت کی ضمانت ان میں موجود ہے۔

ادلہ اربعہ کی بنیاد پر اجتہاد اور استنباط کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ ان ہی ادلہ اربعہ سے وہ اصول اور کلیات مستنبط کے گئے جن سے لامحدود فروع اور جزئیات وجود میں آگئیں۔ جہاں تک قانون اور قانون سازی کا تعلق ہے تو وہ علم اصول اور کلیات کے ادراک اور شعور سے متعلق ہے۔ اور اس دائرہ قانون میں انتظامی امور اور ملک کا اصلاحی نظام چلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے انتظام وانصرام کا اختیار ایک منتخب ادارے کو حاصل ہے۔ اس کو عوام کی طرف سے جو اقتدار اور تسلط حاصل ہے اسے کام میں لائے۔

## قانون سازی کا استحقاق

ہمارے منتخب اسمبلی ادارے ایک عامل اور تابع ہیں۔ قانون کے اجراء ونفاذ کے ذمہ دار ہیں۔ شرعاً ان کے موجد اور مہندس نہیں۔ کیا ہی غضب ہے کہ تعلیمی کورس پڑھانے والا استاذ۔ تعلیم وتربیت کے بجائے نصاب کی تبدیلی شروع کردے۔ اور اسے اپنا حق سمجھے۔ اس بنا پر کہ مجھے اس سکول کا استاد منتخب کیا گیا ہے۔ ایسے ہی یہ تجویز کہ منتخب ارکان اسمبلی اجتہاد کا حق رکھتے ہیں۔ کتنا غلط ہے۔ تعجب

ہے کہ بغیر شرط علم کے کسی کیلئے اجتہاد کا منصب کس طرح قابل تسلیم ہے۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ انتخاب میں نہ علم کی شرط ہے نہ عوام نے علم کی بنا پر انہیں منتخب کیا ہے جیسے طالوت کے بادشاہ چنے جانے پر بنی اسرائیل نے ان الفاظ سے اس پر اعتراض کیا۔

"انی یکون له الملک علینا ونحن احق بالملک منه ولم یوت سعة منٓ المال(۱)

(ہم پر اس کو حکومت کا حق کہاں سے حاصل ہے۔ ہم اس ملک کا اس سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ جبکہ اسے مال کی فراوانی بھی نہیں دی گئی۔)

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

"ان الله اصطفه علیکم وزاده بسطة فی العلم والجسم والله یؤتی ملکه من یشاء والله واسع علیم(۲)

(اللہ تعالیٰ نے تم پر بادشاہت کیلئے اسے چن لیا ہے۔ علم اور جسم میں کشادہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے اپنا ملک عطا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وسعت اور علم والا ہے۔)

یعنی طالوت میں حکومت کی اہلیت بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی وجہ انتخاب بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں مختار ہے۔ اس کی وسعت اور علم اس کا متقاضی ہے۔

## دولت کے باعث حصول اقتدار؟

جو لوگ دولت کے ذریعہ اقتدار حاصل کرتے ہیں ان کو اپنے منصب کا پاس نہیں ہوتا بلکہ وہ اس عہدے کو تجارتی اور کاروباری اصولوں سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے۔

شریعت میں اشباہ و نظائر کا ایک وسیع باب ہے یعنی پیش آمدہ مشکلات کا حل ازمنہ ماضیہ کے ہمشکل اور متشابہ امثلہ میں تلاش کرنا۔ جن حوادث کو ہم نیا سمجھتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ یہ ہمارے دور میں پیدا ہوئے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ صرف تعبیر اور ظاہری شکل کا فرق ہے اور کچھ نہیں۔ منشاء اور مصلحت وہی ہوتی ہے۔ جو پہلے تھی۔ البتہ ان میں قدر مشترک اور ان کا حکم معلوم کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے بلکہ یہ کام رجال فن اور جبال علم کا ہے۔

## ۲۔ قرآن مجید میں ہنگامی حالات میں طریق کار کی ہدایت

اللہ تعالیٰ نے جنگی حالت کے دوران عام لوگوں کی اس روش کا شکوہ کیا ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں کو پھیلاتے ہیں ۔ رسول اللہ ﷺ اصحاب استنباط اور اہل رائی کے سامنے پیش نہیں کرتے تاکہ وہ ان کا

صحیح مفہوم پالیں اور حقیقت حال واضح ہوجائے۔

"وذاجاءهم امر من الامن اوالخوف اذاعوابه ولوردوه الى الرسول والى أولى الامرمنهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم(۳)

(جب ان کے پاس امن یا خوف کی خبر آتی ہے۔ پھیلادیتے ہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ اور ذمہ دار طبقہ کے پاس وہ خبر لے جاتے تووہ لوگ اس کا مطلب پالیتے جوران میں استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں)

## ہنگامی حالت کی تصویر اور اس کا مختصر خاکہ اور حکم

"ومن يولهم يومئذدبره الا متحرفالقتال او متحيزا الى فئة فقدباء بغضب من الله وماواه جهنم وبئس المصير(۴)

(یعنی لڑائی کے میدان سے جو پیٹھ پھیر کر بھاگے گا اس نے اللہ تعالیٰ کے غضب کی طرف رجوع کیا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ الا یہ کہ جنگ کا پینترا بدلنے والا ہو۔ یا لشکر کے ساتھ مل کر دوبارہ لڑنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

ظاہر ہے کہ جنگ کا محاذ بدلنا یا بڑے لشکر سے جاملنا فرار نہیں ۔ البتہ عام حالت کو چھوڑ کر انہوں نے دوسری ہنگامی صورت اختیار کرلی ہے۔ اس وقت جنگ کا یہی تقاضا تھا اور یہی منشاء خداوندی تھا جو اختیار کیا گیا۔ ہنگامی حالت قانون کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ اور عین مقتضا اور مطلوب ۔ اس سے قانون کا تحفظ ہوتا ہے اور وہی قانون کے نفاذ کی عملی صورت ہوتی ہے۔ آپ اسے جدت سے تعبیر کریں یا جمود سے بہرحال ضابطہ کے فارمولا میں جب ایک چیز اپنے مقام سے وابستہ ہو بظاہر اس کی شکل بدل جاتی ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں اصل حکم کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔

۲۔ طالوت۔ جب اپنا لشکر لے کر باہر نکلے۔ غیر متوقع طور پر اس سے مخاطب ہوئے اور کہا:

"ان الله مبتليكم بنهر. فمن شرب منه فليس منى ومن لم يطعمه فانه منى الا من اغترف غرفة بيده"(۵)

(اللہ تعالیٰ تمہیں نہر کے ذریعہ آزمانا چاہتا ہے جو اس سے پی لے گا وہ مجھ سے نہیں ہوگا اور جو نہیں پیئے گا وہ مجھ سے ہوگا الا یہ کہ ایک چلو بھر پی لے)

طالوت باشاہ تھے نبی نہ تھے۔ ان پر وحی نہیں آئی تھی کہ قوم کا امتحان لو۔ جس فہم وفراست کی بنا پر وہ منتخب ہوئے تھے اس خداداد استعداد اور وسیع تر ملکہ کی بنا پر یہ حکم دیا۔ اس لئے کہ امیر کی اطاعت جہاد کا اہم رکن ہے۔ اور اس سے امتحان میں کامیابی اس کا پہلا زینہ ہے۔ جو شخص جہاد کی ابجد میں رہ جائے تو اس کی منزل مقصود کو کیسے پاسکے گا۔

## ۴۔ ہدایات:۱۔ حسن تدبیر اور مشورہ

ہنگامی حالت اور وقتی فیصلوں میں مجلس مشاورت سے صرف نظر بہت بڑی غلطی ہوتی ہے۔ آئین سے مخلص اشخاص اصحاب الرائے اور سیاست کے باہمی فیصلوں پر عمل کرنا نہایت لازمی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم:

"وامرھم شوری بینھم" (٦) (ان کا معاملہ ان کے مشورے سے ہوتا ہے)

(دائمی اور ابدی ہے۔ وقتی اور عارضی نہیں ہے۔)

## تشدد اور تسلط کے ذریعہ اقتدار پر قبضہ کرنا

ہنگامی حالت میں عموماً متشدد اور جابر قسم کے افسران مقرر کئے جاتے ہیں۔ مقصود اصلی اقتدار پر قبضہ ہوتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ملک میں ایک فساد برپا ہوجاتا ہے۔ ملک کی سیاست، معیشت۔ معاشرت۔ امن۔ انتظام اور عدالت غرضیکہ حکومت کے سب کل پرزے خراب ہوجاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ایسے موقع میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

"ستة لعنتهم ولعنهم الله وكل نبى يجاب الزائدفى كتاب اللهوالمكذب بقدر الله والمتسلط بالجبروت ليعز من اذله الله ويزل من اعزه الله والمستحل لحرم الله والمستحل من عترتى ماحرم الله والتارک لسنتى" (٧)

(چھ اشخاص ہیں جن پر میں نے لعنت کی اور ان پر اللہ نے لعنت کی اور ہر نبی کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔ جبر سے مسلط ہونے والا یعنی حکومت کرنے والا تاکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے اسے عزت دے۔ اور جس کو خدا نے عزت دی ہے اس کو ذلیل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی حرام چیزوں کو حلال کرنے والا اور میری اولاد کی عزت کی ہتک کرنے والا اور میری سنت کا تارک۔

## قرآن مجید میں پیش آمدہ ہنگامی واقعات ان کی نظائر وامثال اور احکام

اس مسئلہ کی نظائر اور امثال کو بڑے غور وفکر سے سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ بعض نازک صورتوں کو ان کی مدد سے حل کیا جاسکے۔ سب سے پہلے کتاب اللہ میں مذکور ہنگامی وقائع اور قصص جن کا ہمارے موضوع سے فی الجملہ تعلق ہے۔ انکا ذکر کرنا مفید ہوگا۔ ازیں بعد آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں معاشی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی مسائل جو ہر شعبہ میں انسانی مکارم اخلاق کے لئے ازبس ہیں۔

ثالثاً خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کی دین میں جدوجہد۔ مسلسل محنت اور سعی جو امت کے لئے وہ نمونہ عمل چھوڑ گئے ہیں اور اپنے دور خلافت میں انہیں یہ حق حاصل تھا کہ وہ اس قسم کے نازک فیصلے کرتے۔ کسی مسلمان کو اس سے مفر نہیں کہ ان کی متعین کردہ شاہراہ کے علاوہ کوئی اور راہ اختیار کرے۔ کیونکہ اس راہ سے ہٹ کر گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح ائمہ ہدی اور مردان حق جیسے علماء اور امت کے مربی جنہیں قرآنی اصطلاح میں ربانیین کہا جاتا ہے جن کے اجتہاد اور عمل نے اس دین کو رونق بخشی اور جن کے اعمال واشغال نے امت میں ارتباط قائم کیا اور انشاء اللہ تاقیامت یہ تسلسل جاری رہے گا۔ (لہذا من خصائص امۃ سید الرسل ﷺ) ان سب کے بعد حکام وقت، علم وحکمت، دیانت اور عدل سے موصوف اللہ کی راہ میں نڈر اور بے باک ہوں۔ جو لوگ اپنے خصوصی اعمال اور اپنے دور کی مشکلات میں حکم خداوندی معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کو بھی یہ درجہ دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی دانش اور اپنی شعوری صوابدید کے مطابق عمل کریں اور اسے حکم خداوندی سمجھیں۔

## قرآن مجید اور ہنگامی وقائع

**۱۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش اور خلافت:** اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کے متعلق ملائکہ کو بتلایا:

"انی جاعل فی الارض خلیفة" (۸)

تو ان کو معاملہ عجیب سا نظر آیا۔ اپنے متعلق جو وہ نیابت کا زعم رکھتے تھے اس کو دھچکا لگا۔ بہتر ہوتا کہ وہ سر تسلیم خم کرتے لیکن وہ اپنی رائے پیش کرنے سے باز نہ رہے۔ یہ ایک ایسی بڑائی تھی جس کے بعد ان کو معذرت کرنا پڑی۔ اللہ تعالیٰ کا امر پورا ہو کر رہا اور آدم علیہ السلام وجود میں آگئے:

"سبحانک لا علم لنا الا ماعلمتنا انک انت العلیم الحکیم" (۹)

**۲۔ (آدم علیہ السلام کا مسجود ملائکہ ہونا:** پھر آدم علیہ السلام کی بابت ملائکہ کو سجدے کرنے کا حکم ہوا تو یہ حکم ان کے لئے اور بھی اجنبی تھا لیکن "اسجدوا لادم" کی صریح نص کے ہوتے ہوئے بغیر جرح وقدح سب ملائکہ منقاد ہوئے اور ابلیس مباحثہ پر اتر آیا اور اپنی فاسد رائے پیش کردی:

"لم اکن لاسجدلبشر خلقته من صلصال من حمام مسنون" (۱۰)

(میں بشر کو سجدہ نہیں کرسکتا جسے تونے بجتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے کی تھی پیدا کیا ہے۔)

## ضابطۂ ضرورت کی تفہیم

ضرورت ایک ضابطہ ہے جس کی اہمیت کو اور وقت پر اس کے پیش آجانے پر اس کی نزاکت کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اس سے پہلے نہیں ۔ اس ضرورت کی تعریف وتحدید ممکن نہیں۔ جس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ دنیا اتنی ترقی کے باوجود اسے نہ پاسکی جبکہ انسانی ادراک کا یہ عالم ہے کہ:

"وماتدری نفس ماذاتکسب غداء"(۱۱) (کسی نفس کواتنا پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا)

ضرورت تو ایک ضابطہ عمل ہے جب عمل کا علم نہیں تو اس کے ضابطہ اور اس کی ضرورت کا کیا علم ہوسکتا ہے۔ جب ایک واقعہ رونما ہوتا ہے ۔ وہ اپنی پیچیدگی کی وجہ سے اپنے ساتھ چند حل طلب مسائل اور مشکلات لاتا ہے۔ مسائل کے حصول اور مشکلات کو کنٹرول کرنے کیلئے گو اس سلسلہ کے وسائل اور اسباب بھی خود بخود سامنے آجاتے ہیں۔ معاملہ سہل اور آسان ہوتا چلاجاتا ہے ۔ اس اعتبار سے بعض وہ امور جو اس سے قبل ممنوع تھے روا ہوجاتے ہیں جب انسان اس راستے میں قدم رکھتا ہے۔ اسے بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ نہیں سمجھ سکتا کہ اس مشکل میں کیسے عہدہ براہوں گا۔ لیکن جونہی اس راہ پر چل پڑتا ہے اسے اپنی منزل نظر آجاتی ہے ۔ اگر اس سے پہلے اس معمہ میں کوئی جادہ پیما نہیں ہوا تو اس ہنگامی حال میں قدرت کی طرف سے ان کی راہنمائی کی جاتی ہے۔

## ۴۔ہنگامی حالت میں راہنمائی کی مثال
## قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا اور پریشان ہونا

دیکھئے اس دھرتی میں قابیل کے ہاتھوں ہابیل کا قتل ۔ آدم علیہ السلام کے ان دو بیٹوں میں چپقلش کے نتیجہ میں یہ پہلا انسانی قتل تھا۔ قاتل اس فعل پر نادم ہونے کے ساتھ اس الجھن میں پڑ گئے کہ وہ اس نعش کے ساتھ کیا کرے۔ اس سے پہلے اس سوال کا جواب دنیا میں موجود نہیں تھا۔ یہ طبعی موت نہیں تھی بلکہ یہ ہنگامی حالت قاتل کی پیدا کردہ تھی۔ جس سے بھائی کی موت سے زیادہ وقتی طور پر اپنی خجالت اور خفت مٹانا مطلوب تھا۔ اسی حال میں غیب کی طرف سے ایک کوا آیا جس کا ذکر یوں ملتا ہے:

"فبعث الله غراباً یبحث فی الارض لیریه کیف یواری سوأة اخیه"(۱۲)

(اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدتا تھا تاکہ اس کو دکھلائے کہ کس طرح وہ اپنے بھائی کی لاش چھپائے)

## دوسری مثال: حضرت مقداد انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک جنگی سوال

میدان کارزار کی نزاکتیں ہوتی ہیں۔ اس میں ذراسا تغافل کتنے بڑے نقصان کا پیش خیمہ ثابت

ہوتا ہے۔ قسمتیں بدلتی ہیں اور فتح وشکست کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس سے متعلق جناب مقداد بن الاسود الکندی آپ کی خدمت میں حاضری کے وقت دریافت کرتے ہیں کہ اگر جنگ میں ایک کافر سے میرا آمنا سامنا ہو۔ اتنے میں اس نے میرا ایک بازو کاٹ دیا ہو۔ اس نے میرے حملے سے بچنے کیلئے ایک درخت کی اوٹ لے لی ہو جب وہ میرے زد میں آیا اور میں نے اس پر وار کرنا چاہا تو فوراً کلمہ "لاالہ الا اللہ" پڑھ لیا۔ کیا میں اسے اس حال میں قتل کردوں؟ فرمایا اسے قتل مت کرو۔ مقداد نے دوبارہ عرض کی۔ یارسول اللہ اس نے میرا بازو کاٹ دیا ہے؟ فرمایا تجھ سے اگر یہ جرم سرزد ہوگا تو یہ نتیجہ ہوگا:

"اس قتل سے پہلے تجھے جو مقام شرف اسلام حاصل تھا وہ مقتول کو مل جائے گا۔ مقتول کو اس اقرار سے قبل کفر کا جو مقام حاصل تھا۔ قتل کرنے کے بعد تجھے یہ مقام مل جائے گا" الفاظ مبارکہ یہ ہیں:

"فان قتلته فانه بمنزلتک قبل ان تقتله وانک بمنزته قبل ان یقول کلمة التی قال"(۱۳)

(حضرت مقداد نے سوال کی ایسی تصویر کھینچی کہ کوئی جج یا مفتی ہوتا تو وہ سوال کی ان موشگافیوں کے جال میں پھنس کر رہ جاتا۔)

یہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔ جنہوں نے سوال کی جملہ توجیہات کو رد کردیا اور اس نازک مرحلہ میں اشتعال نہیں بلکہ اعتدال کا حکم دیا۔ جو اس سوال کا حقیقی جواب ہے۔

## تیسری مثال دربار رسالت میں اسامہ بن زیدؓ کو دھمکی

حضرت اسامہؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ سے جنگ کیلئے آنحضرت ﷺ نے ہمیں بھیجا۔ ایک شخص میرے نیزے کی زد میں آیا اور فورا "لاالہ الا اللہ" کہہ دیا۔ میں نے اسے نیزے سے قتل کردیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا اور اپنا ماجرا سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے "لاالہ الا اللہ" کی شہادت دی اس کے باوجود تو نے اسے قتل کردیا؟۔ میں نے عرض کی اس نے اپنے بچاؤ کیلئے ایسا کیا۔ آپ نے زجراً فرمایا: ھلا شققت قلبہ متفق علیہ"(۱۴) تو نے اس کے دل کو چیر کر دیکھ لیا تھا؟ ایک روایت میں ہے: کیف تصنع بلاالہ الا اللہ لا الہ الا اللہ اذا جاءت یوم القیاۃ"(۱۵) لاالہ الا اللہ" کے ساتھ تیرا کیا چارہ کار ہوگا۔ جبکہ بروز قیامت "لاالہ الا اللہ" تیرا مدعی بن کر آئے گا۔

## ۴-چوتھی مثال: رسول اللہ ﷺ کا خالد بن ولید کے عمل سے برائت کرنا

حضرت خالد بن ولیدؓ کی کمان میں رسول اللہ ﷺ نے جہینہ کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ ان کو اسلام کی دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔ "اسلمنا" کا لفظ ان کے لئے کہنا مشکل تھا جس کے معنی ہیں ہم نے اسلام قبول کیا وہ کہنے لگے "صبونا۔ صبونا" جس کے معنی ہیں ہم بدمذہب ہوگئے۔ ان کی مراد یہ تھی۔ ہم اپنے مذہب کو چھوڑ کر مذہب اسلام میں منتقل ہوگئے۔ اتنے میں حضرت خالد بن ولیدؓ بعض کو قتل کررہے تھے اور بعض کو قیدی بنارہے تھے۔ اور حکم دیا۔ ہر فوجی اپنے قیدی کو قتل کرڈالے۔ میں نے کہا واللہ میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا۔ اور میرے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اپنے قیدی کو قتل نہیں کریگا۔ ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ کو واقعہ سے آگاہ کیا۔
رسول اللہ ﷺ بارگاہ خداوندی میں عاجزانہ ملتمس ہوئے اور ہاتھ اٹھائے فرمایا

"اللھم انی ابرا الیک مما صنع خالد مرتین رواہ البخاری(١٦)

(اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اس عمل سے جو خالد نے کیا ہے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔

ان ہی ہنگامی واقعات میں بے احتیاطی کے پیش نظر سورہ النساء میں خصوصی طور پر تحقیق حال کا حکم دیا گیا۔ جلد بازی کے فیصلوں سے منع کیا گیا۔

"یاایھاالذین آمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ولا تقولوا لمن القی الیکم السلمٰ لست مؤمناؕ تبتغون عرض الحیوۃ الدنیا فعنداللہ مغانم کثیرۃ کذلک کنتم من قبل فمن اللہعلیکم فتبینوا ان اللہ کان بما تعملون خبیراً(١٧)

(اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تحقیق کرلیا کرو۔ اور مت کہو اس شخص کو جو تم پر سلام کرے تو مسلمان نہیں۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا۔ سو اللہ کے ہاں بہت نعمتیں ہیں۔ تم بھی تو ایسے ہی تھے۔ اس سے پہلے۔ پھر اللہ نے تم پر فضل کیا۔ سو اب تحقیق کرلو۔ بیشک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

## پانچویں مثال: واقعہ نزول آیت مذکورہ

آنحضرت ﷺ نے ایک فوج کو ایک قوم پر جہاد کیلئے بھیجا۔ اس قوم میں ایک شخص مسلمان تھا (عامر اشجعی۔ م ع) جو اپنا مال واسباب اور مویشی ان میں سے نکال کر علیحدہ کھڑا ہوگیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو دیکھ کر السلام علیکم کہا۔ مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی کافر ہے۔ اپنی جان اور مال بچانے کی غرض سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے۔ اس پر اس کو (محلم بن جثامہ لیثی نے دوسرے مسلمانوں کے روکنے کے باوجود۔ م ع) مار ڈالا اور اس کے مویشی اور اسباب سب لے لئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: (حاشیہ شیخ الہند)

## ضابطہ ضرورت پر پیش آمدہ صورت میں مضمر اور مستتر ہوتا ہے

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کا شہرہ صرف فقہ واجتہاد کے امام ہونے کی حیثیت سے ہے کم لوگ جانتے ہیں کہ آپ بحث ومناظرہ اور عقلی طرز استدلال کے بھی امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عادت قدیمہ ہے کہ ہر دور میں تقاضہ وقت کے مطابق ایسے افراد پیدا کرتے رہے ہیں جنکی اس وقت ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ امام صاحب وجود باجود بھی اس قبیل سے ہے۔ آپ کی دانشمندی اور فراست ایمانی میں اس ضابطہ پر وہ عمل بھی شامل ہے۔ جو آپ کو اپنے استاذ حضرت امام حماد سے بطور وصیت اور تلقین عطا ہوا تھا:

## امام صاحبؒ کو اپنے استاذ امام حماد کی وصیت

اے ابوحنیفہ! ہر سوال کا جواب اسی سوال کے اندر ہی تلاش کرنے کی کوشش کیا کرو۔ یعنی سوال کے انداز اور سوال کے مختلف پہلوؤں پر وسیع نظر ڈال کر غور سے دیکھوگے تو سوال کے اندر بالاخر اس کا جواب بھی پالوگے۔ چنانچہ امام نے اس ضابطہ میں اتنا رسوخ پید کرلیا کہ بڑے مشکل مسائل میں سائل کو ایسا دندان شکن جواب دیتے تھے کہ اپنے ہی جال میں پھنس کر دم بخود رہ جاتا۔ آپ کے استاذ کی وصیت کے الفاظ یہ ہیں۔

ہر سوال کا جواب اسی سوال میں ہوتا ہے:

"اذا سئلت عن معضلة فاقلبها سرالاعلى سائلک عنها حتى تخلص من مسالته لک

## اس ضابطہ پر عمل کے دو واقعات
### واقعہ اول

فدس الی رجل فقعدلی علی الباب وانا عند ابن هبيرة قد امربی الی السجن فسعی الرجل الی السجن فقال يا اباحنيفة ايحل للرجل اذا امره السلطان الاعظم ان يقتل رجلا ان يقتله؟ قال قلت له اكان الرجل ممن وجب عليه القتل ؟ قال: نعم قلت فاقتله قال: فان لم تكن ممن وجب عليه القتل ؟ قال قلت: ان السلطان الاعظم لايامربقتل من لايستحق القتل( اخبار ابی حنيفة واصحابه ،ص:١٩)

(جب تجھ سے کسی مشکل حل طلب بات کے بارے پوچھا جائے تو اس کو سوال کر کے سائل پر لوٹا دو تا کہ اس مسئلے کا مخلص تمہارے سامنے آجائے۔ اتنے میں ایک دن میرے پاس خفیہ ایک شخص کو بھیجا گیا اور وہ دروازے پر میرے انتظار میں بیٹھ گیا۔ میں اس وقت (گور نر کوفہ) ابن ھبیرہ کے پاس تھا۔ اور مجھے جیل کی طرف لے جانے کا حکم ہو چکا تھا۔ وہ شخص جیل کی طرف دوڑے آیا اور پوچھا۔ اے ابو حنیفہ جب سلطان اعظم کسی شخص کو قتل کرنے کا حکم دے تو مامور کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے قتل کر دے تو میں نے کہا کیا وہ شخص ایسا ہے جس پر قتل واجب ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا پھر اسے قتل کر دو۔ اس نے پھر سوال کیا۔ اگر وہ شخص واجب القتل نہ ہو تو امام صاحب کہتے ہیں میں نے اس سے کہا سلطان اعظم ایسے شخص کے بارے قتل کا حکم نہیں دیتا جو قتل کا مستحق نہیں ہے۔

## امام صاحبؒ کا دوسرا واقعہ

"تقلدالكوفة رجل من قبل ابی جعفر المنصور ناراد اذى ابی حنيفة فقال والله لا.سئلنه عن مسئلة يكون سببا لقتله ) ثم احضره علی رؤس الناس فقال: ان اميرالمؤمنين يامرلی يضرب الاعناق وسفک الدماء واخذ الاموال وانتهاک المحارم افاطيعه فی ذلک ام اعصيه فقال له ابوحنيفة مايامرک به اميرالمؤمنين طاعة اللهام معصيته قال:لا بل طاعة الله فقال له ابوحنيفة اطع اميرالمؤمين اكرمه الله فی ماكان طاعة الله ولا تعصه وخرج واصحابه علی الباب فقال (لهم) اراد الرجل ان يرهقنا فاهرقناه فاذاتتكم معضلة فاجعلوا جوابها منها"ص:٦٢

(ابو منصور کی طرف سے ایک شخص کو کوفے کا گور نر مقرر کیا گیا۔ اس نے ابو حنیفہ کی ایذا رسانی کا تہیہ

کرلیا۔ اور کہا خدا کی قسم میں اس سے ایک ایسا سوال کروں گا جو اس کے قتل کا سبب ہوگا۔ پھر لوگوں کے سامنے ابوحنیفہ کو حاضر کیا۔ اور کہا۔ امیر المؤمنین مجھے گردنوں کے اڑانے۔ ناحق خون ریزیوں۔ لوگوں کے مال چھیننے اور محارم کی ہتک کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ کیا میں اس کے بارے میں اس کی اطاعت کروں۔ یا حکم عدولی کروں؟ اس سے ابوحنیفہ نے دریافت کیا۔ تیرے خیال میں تجھے امیر المؤمنین جس چیز کا حکم دیتے ہیں طاعت ہے یا معصیت اس نے کہا۔ معصیت نہیں بلکہ طاعت ہے۔ تو ابوحنیفہ نے کہا امیر المؤمنین اکرمہ اللہ کے ہر حکم میں جو اطاعت خداوندی ہو اطاعت کرو اس کی حکم عدولی نہ کرو۔ ابوحنیفہ باہر آئے اور آپ کے ساتھی دروازے پر کھڑے آپ کے منتظر تھے آپ نے ان سے کہا۔ اس شخص نے تو ہمارے خون بہانے کا ارادہ کیا تھا لیکن ہم نے اس کا خون بہادیا۔ (پھر بطور ضابطہ فرمایا جب تمہیں کوئی مشکل پیش آجائے اس کا جواب اسی مشکل میں ہی تلاش کرلیا کرو۔

الحاصل مشکل سوال ایک ہنگامی صورت حال ہوتی ہے۔ جب بقول امام اعظم ہر سوال کا جواب اسی سوال میں ہوتا ہے۔ نتیجہ واضح ہے کہ ضابطہ ضرورت بھی ہر پیش آمدہ ہنگامی صورت حال میں مضمر اور مستتر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لئے بصیرت اور عقل سلیم چاہیئے۔ جو ضرورت اور تقاضائے ضرورت کا ادراک کرسکے۔

ہر کس نشناسندۂ رازست و گرنہ　　اینہا ہمہ رازست کہ معلوم عوام است

واقف نہیں ہے تو ہی نواہائی راز کا　　یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

## سیدنا موسی علیہ السلام کے چار ہنگامہ خیز واقعات

سیدنا موسی علیہ السلام کا قرآن مجید میں بکثرت ذکر آتا ہے۔ حکایات و قصص عظمت وجلال مکالمے اور مباحثے خدا تعالی سے راز و نیاز کی باتیں۔ قوم کی اصلاح اور خیر خواہی۔ تذکیر بایام اللہ بنی اسرائیل کی بے اعتمادی اور نقض عہد پر ملال وغیر ذالک۔ ہمارے پیش نظر صرف چار واقعے ہیں جن سے ہمارے موضوع پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور سمجھ میں آتا ہے کہ ان میں آپ کتنی مشکلات سے گزرے ہیں۔

(۱)　بچھڑے کی پرستش کرنے والوں کو قتل کی سزا

(۲)　بنی اسرائیل کو ہنگامی طور پر ذبح بقرہ کا حکم

(۳)　جادو گروں سے مقابلہ کے وقت سیدنا موسی علیہ السلام کا خوف اور وحی خداوندی

(۴)　سامری کے بچھڑے کو جلانا اور راکھ بنا کر دریا میں بہا دینا

بنی اسرائیل پر اللہ تعالی کے بے شمار انعامات اور عنایات کاظہور ہوا جیسے ان کا سیدنا موسی علیہ السلام کے معجزات کامشاہدہ کرنا۔ اپنے ذاتی اور ایمانی دشمن کو سامنے غرق ہوتے دیکھناوغیرہ مثلاً چند روز موسی کلیم کے کوہ طور پر چلے جانے سے بچھڑے کی پرستش کرنا۔ سیدنا ہارون علیہ السلام جیسے برد بار کی مخالفت اور ان کی فصیح و بلیغ ایمان افروز تقریر کارد کردینا۔ اس سے زیادہ کفران نعمت اور کیا ہوسکتا ہے۔

بایں ہمہ ان کے وہم وخیال میں بھی نہیں تھا کہ موسی علیہ السلام ہماری اتنی بڑی کثیر تعداد ستر(۷۰) ہزار پر دوبارہ تسلط قائم کرلیں گے اور پھر اس جرم کی سزا قتل سے کم نہ ہوگی۔ سیدنا موسی اور سیدنا ہارون علیہ السلام بھی حیران رہ گئے لیکن امر خداوندی سے چارہ کار نہ تھا۔ اور قتل وقتال کا منظر قیامت کا نقشہ پیش کررہا تھا۔ ہر دو بزرگ پیغمبر اس کی تاب نہ لاسکے۔ قوم کا حال دیکھ کر ان پر گریہ زاری طاری ہوگیا۔ بڑے عجزو نیاز سے پکار اٹھے:

ربنا هلكت بنواسرائيل. ربنا البقية البقية"(۱۸)

(اے ہمارے پرودگار بنی اسرائیل ہلاک ہوئے۔ اے ہمارے رب اب ان کو بچالے۔ ان کو بچالے)

اتنی بڑی سزا کاموجب کیا تھا؟ یہ کہ بچھڑے کورب بنالیا۔ علامہ محمد بن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"وكان فعل الذى فعلوه فظلموابه انفسهم هو مااخبر الله عنهم من ارتدادهم باتخاذهم العجل ربا بعد فراق موسى اياهم"(۱۹)

(ایک ایسافعل کیا جس کی رو سے انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ جس کی اللہ تعالی نے ان کے بارے خبر دی ہے کہ بچھڑے کو موسی علیہ السلام کے کوہ طور پر چلے جانے کے بعد رب بنالیا۔

## ۲۔ذبح بقرہ کا حکم

حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جب ذبح بقرہ کا حکم دیا تو انہوں نے اپنی کم بختی اور حیلہ جوئی کی خصلت کے مطابق بحث شروع کردی۔ موسی! کیا تو ہم سے مذاق کرتا ہے۔ یعنی مقتول کے واقعہ سے " ذبح بقرہ" کا کیا تعلق ہے؟ اچھا اگر واقعی یہ خدا کا حکم ہے تو وہ گائے کیسی ہو؟ اس کا رنگ کیسا ہو؟ اس کی کچھ اور تفصیلی صفات معلوم ہونی چاہیں کیونکہ ابھی تک اس کے یقین کے متعلق ہم مشتبہ حالت میں ہیں۔

حضرت موسی علیہ السلام نے جب وحی الہی کی معرفت ان کے تمام سوالات کے جواب دے دئے اور ان کی حیلہ جوئی کااور کوئی موقعہ باقی نہ رہا تب وہ تعمیل حکم پر آمادہ ہوئے اور وحی الہی کے مطابق معاملہ

سرانجام دیا(۲۰)

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل حضرت موسی علیہ السلام کے فرماتے ہی ذبح بقرہ کی تعمیل کردیتے توان کیلئے گائے کے معاملہ میں کسی قسم کی مطلق قیدوبند نہ ہوتی اور کوئی سی گائے بھی ذبح کردیتے تو تعمیل حکم ہوجاتی۔ مگر انہوں نے بے ہودہ سوالات کرکے اپنے اوپر پابندیاں لگوائیں۔ چنانچہ پیغمبر خدا کے ساتھ اس قسم کی بے ہودہ باتوں اور کج بحثوں کی قرآن عزیز نے سخت مذمت کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اِس کا آخر نتیجہ کفر اور ترک ایمان پر جاکر ختم ہوتا ہے۔ لھذا امتِ مسلمہ کو چاہیے کہ وہ اس قسم کی باتوں سے بچے(۲۱)

اس پورے واقعہ میں قوم کو ذبح بقرہ کا حکم ہنگامی معلوم ہوا۔ لیکن زبان پیغمبر اور پھر اس حکم کا استناد اللہ تعالی کی طرف سے تھا۔ اس لئے بنی اسرائیل اسمبلی کی ساری حیلہ بازیوں رکیک اور غلط باریکیوں کو یکسر رد کردیا گیا۔ بالاخروہی حکم جوں کا توں رہا۔ البتہ اس قابل ملامت طول طوال میں انہوں نے اپنے لئے پابندیوں کا اضافہ کردیا جس سے واضح ہوتا ہے کہ صریح اور قطعی نصوص میں ترمیم اور ردوبدل کا اختیار کسی ادارے۔ شوری اور آرڈیننس کے دائرہ کار میں نہیں ہے۔

## ۳۔سیدنا موسی علیہ السلام اور ساحروں کا مقابلہ

مقابلے کا وقت آپہنچا۔ میدان جشن میں تمام کروفر کے ساتھ فرعون تخت نشین ہے اور درباری حسب مراتب قرینے سے بیٹھے ہیں اور لاکھوں انسان حق وباطل کا نظارہ کرنے کو جمع ہیں۔ ایک طرف مصر کے مشہور جادوگروں کا گروہ اپنے سازوسامان سے لیس کھڑا ہے اور دوسری جانب خدا کے رسول حق کے پیغامبر سچائی اور راستی کے پیکر حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کھڑے ہیں۔ فرعون بہت مسرور ہے اور اس یقین پر کہ ساحران دونوں کو جلد شکست دے دیں گے۔ ساحروں کی حوصلہ افزائی کررہا ہے اور کہہ رہا ہے اگر تم نے موسیٰ کو شکست دے دی تو نہ صرف انعام واکرام سے مالامال کئے جاؤ گے بلکہ میرے دربار میں خاص جگہ پاؤگے۔ ساحر بھی اپنی کامیابی کے یقین پر فرعون سے اپنے اعزاز واکرام کا وعدہ لے رہے ہیں۔ اور اس کے تصور سے بہت شاداں اور مسرور ہیں۔(۲۲)

"وجاء السحرة فرعون قالوا ان لنا لاجراً ان کنا نحن الغالبین. قال نعم وانکم لمن المقربین(۲۳)

(جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہنے لگے اگر ہم موسیٰ پر غالب آجائیں تو کیا ہمارے لئے انعام واکرام ہے؟۔ فرعون نے کہاہاں ضرور اور یہی نہیں بلکہ تم مقربین بارگاہ شاہی ہوگے)

علامہ ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وقال لهم وقدجاءنا ساحر مارابنا مثله قط،انكم ان غلبتموه اكرمتكم وفضلتكم ، وقربتكم على اهل مملكتي . قالو: وان لنا ذلک ان غلبنا قال نعم (۲۳)

(فرعون نے جادوگروں سے کہا۔ ہمارے ہاں جادوگر ظاہر ہوا جس کی مثال سننے میں نہیں آئی۔ اگر تم اس پر غالب آگئے تو تمہارا اکرام ہوگا۔ تمہارا مرتبہ بڑھا کر اپنی رعایا پر تمہیں سرداری کا عہدہ دے دونگا۔ وہ بولے۔ سچ مچ۔ اگر ہم غالب آگئے یہ سب کچھ ہوگا؟ فرعون نے کہا ضرور۔ آج کی اصطلاح میں تمہیں وزارت ملے گی۔ اعلیٰ خطاب سے نوازا جائے گا۔ اور تمہارے منصوبے پاس کرلئے جائیں گے۔ اقتدار میں شرکت کے ساتھ تمہاری پارٹی کے سارے مقدمات واپس لے لئے جائیں گے۔ بشرطیکہ اہل حق کے مقابلے میں تم نے حکومت کا تعاون کیا اور حکومت کی ہر بات پر صاد کیا۔ اور اسمبلی میں اس کی حمایت کی۔

"فلما القوا سحروا اعين الناس واسترهبوهم وجاءوابسحرعظيم(۲۵)

(جادوگروں نے جادو کی بنائی ہوئی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تو لوگوں کی نگاہیں جادو سے ماردیں اور اپنے کرتبوں سے ان میں وحشت پھیلادی اور بہت بڑا جادو بنا لائے۔

"فاوجس فی نفسه خيفة موسى. قلنا لا تخف انک انت الاعلى"(۲٦)

(موسیٰ نے دل میں ہراس محسوس کیا ہم نے کہا اندیشہ مت کر تو ہی غالب رہے گا)

جادوگروں نے جو کہ اپنے فن کے ماہر و کامل تھے جب عصاء موسیٰ کا یہ کرشمہ دیکھا تو وہ حقیقت حال سمجھ گئے اور جس کو اس وقت تک فرعون اور اس کے درباری لوگ پوشیدہ رکھنے کی کوشش کررہے تھے وہ اس کو نہ چھپا سکے اور انہوں نے برسر مجلس اقرار کرلیا کہ موسیٰ کا یہ عمل جادو سے بالاتر خدا کا معجزہ ہے۔ اس کا سحر سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور پھر سجدہ میں گر پڑے اور اعلان کردیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لائے ہیں کیونکہ وہی رب العالمین ہے(۲۷)

یہ وہ لوگ تھے جو چند ساعات قبل اسی میدان میں اپنے آقا فرعون سے للچار ہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ ہمیں کچھ ملے گا؟ جب دولت ایمان سے سرفراز ہوئے اور نور ایمانی سے ان کے سینے منور ہوگئے۔ فرعون کی سولی کا خطرہ ہے نہ اس کی سلطنت کا خوف بلکہ طمع ہے تو یہ ہے کہ کسی طرح خدا تعالیٰ ہماری پہلی خطائیں معاف فرمادے۔ ہنگامی حالات جب پلٹا کھاتے ہیں تو اس طرح ہوتا ہے۔ اقتدار میں تبدیلی اور ملکی انقلاب سے زیادہ ذہنی۔ نظریاتی اور ماوراء مادہ اعتقادی اور اخروی انقلاب برپا ہوتا ہے جس میں کسی

قسم کا خوف وخطرہ ہے نہ زوال۔

"قالوا لن نوثرک علی ماجاءنا من البینت والذی فطرنا فاقض ما انت قاض. انما تقضی هذه الحیاة الدنیا. اناامنا بربنالیغفرلنا خطینا وما اکرهتنا علیه من السحر. والله خیر وابقی"(۲۸)

(انہوں نے کہا "ہم یہ کبھی نہیں کرسکتے کہ سچائی کے جو روشن دلائل ہمارے سامنے آگئے ہیں اور جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے اس سے منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر گزر۔ تو زیادہ سے زیادہ جو کچھ کرسکتا ہے وہ یہی ہے کہ دنیا کی زندگی کا فیصلہ کردے۔ ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لاچکے کہ وہ ہماری خطائیں بخش دے خصوصاً جادوگری کی خطا کہ جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا۔ اور ہمارے لئے اللہ ہی بہتر اور وہی باقی رہنے والا ہے۔)

"قالو لا ضیر انا الی ربنا منقلبون. انا نطمع ان یغفرلنا ربنا خطینا ان کنا اول المؤمنین. (۲۹)

(جادوگروں نے کہا: تیرا یہ عذاب ہمارے لئے کوئی نقصان کی بات نہیں۔ بلاشبہ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔ بیشک ہم اس کے حریص ہیں کہ وہ ہماری خطاؤں کو بخش دے کیونکہ ہم ہوگئے مؤمنین اول۔

اس قصہ میں سیدنا موسی علیہ السلام پر خوف وہراس بھی ایک ہنگامی قضیہ تھا۔ وحی الہی نے اس کا بروقت مداوی کیا اور یہ کوئی نظریاتی بحث نہیں تھی کہ حق و باطل کے فیصلہ کے بغیر یہ معرکہ ختم ہوجاتا۔ بلکہ پیغمبرانہ معجزہ تھا جس کے معنی ہیں باطل کے سارے داؤ پیچ کو مٹادینے والا۔ جب اژدھا موسی نے وہ سب کچھ نگل لیا جو جادوگر لائے تھے اور میدان میں سوائے اژدھائے موسی کے اور کچھ باقی نہ رہا تو پھر حیل و حجت کیلئے کیا رہا۔ آج بھی اسی طرح قدرت کی طرف سے حق کی تائید اور نصرت کی ندائیں آرہی ہیں۔ بشرطیکہ کوئی ان کی شنوائی کے کان تو دھرے اور سیدنا موسی اور ہارون علیہما السلام کی طرح اس میدان میں استقامت کے ساتھ اتر کر تو دیکھے۔

## ۴۔ سامری کے بچھڑے کو جلانا اور راکھ بنا کر دریا میں بہادینا

**گوسالہ پرستی کا واقعہ:** حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے اس قرآنی واقعے کی مختصر اور اچھوتے انداز میں تلخیص کی ہے لکھتے ہیں: جبل طور پر حضرت موسی پروردگار عالم سے رازو نیاز میں

مصروف اور بنی اسرائیل کیلئے آئین الٰہی " توراۃ" حاصل کرنے میں مشغول اور نیچے وادی سینا میں بنی اسرائیل نے سامری کی قیادت میں خود ہی اپنا معبود گوسالہ منتخب کرکے اس کی سمادھ لگائی اور پرستش شروع کردی۔۔۔۔۔۔۔

سامری گو ظاہر میں مسلمان تھا مگر اس کے دل میں کفر و شرک کی نجاست بھری ہوئی تھی۔ پس جب بنی اسرائیل نے تمام سونے کے زیور لا کر اس کے حوالے کردئے تو اس نے اس کو بھٹی میں ڈال کر گلایا۔ اور اس سے گوسالہ بچھڑے کا جسم تیار کیا اور پھر اپنے پاس سے ایک مشت خاک اس کے اندر ڈال دی۔ اس ترکیب نے گوسالہ میں آثار حیات پیدا ہوگئے اور وہ بچھڑے کی آواز بھائیں بھائیں بولنے لگا۔

اب سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ موسیٰ سے بھول ہوگئی کہ وہ خدا کی تلاش میں طور پر گیا، تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود تو یہ ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ دیکھا تو بنی اسرائیل کو سمجھایا کہ ایسا نہ کرو یہ تو گمراہی کا راستہ ہے مگر انہوں نے ہارون علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کردیا اور کہنے لگے جب تک موسیٰ نہ آجائیں ہم اس سے باز آنے والے نہیں۔

شرک منصب نبوت کیلئے ایک ناقابل برداشت شے ہے۔ اس لئے اور نیز اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت جلالی تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی کی گردن پکڑلی اور داڑھی کی جانب ہاتھ بڑھایا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا: برادر! میری مطلق خطا نہیں ہے۔ میں نے ان کو ہر چند سمجھایا مگر انہوں نے کسی طرح نہ مانا اور کہنے لگے جب تک موسیٰ نہ آجائے۔ ہم تیری بات سننے والے نہیں بلکہ انہوں نے مجھے کمزور پا کر میرے قتل کا ارادہ کرلیا تھا۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو خیال کیا کہ اب اگر ان سے لڑائی کی جائے اور مؤمنین کاملین اور ان کے مابین جنگ برپا ہو تو کہیں مجھ پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ میرے پیچھے قوم میں تفرقہ ڈال دیا۔ اس لئے میں خاموشی کے ساتھ تیرا منتظر رہا۔ پیارے بھائی! تو میرے سر کے بال نہ نوچ اور نہ داڑھی پر ہاتھ چلا اور اس طرح دوسروں کو ہنسنے کا موقعہ نہ دے۔

ہارون علیہ السلام کی یہ معقول دلیل سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ان کی جانب سے فرو ہوگیا اور اب " سامری " کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا:

"سامری! تو نے یہ کیا سوانگ بنایا ہے۔ سامری نے جواب دیا کہ" میں نے ایسی بات دیکھی جو ان اسرائیلیوں میں سے کسی نے نہیں دیکھی یعنی غرق فرعون کے وقت جبریل علیہ السلام گھوڑے پر سوار اسرائیلیوں اور فرعونیوں کے درمیان حائل تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے گھوڑے کے سم کی خاک میں

اثر حیات پیدا ہوتا ہے اور خشک زمین پر سبزہ اگ آتا ہے۔ تو میں نے جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کی خاک سے ایک مٹھی بھر لی اور اس خاک کو اس بچھڑے میں ڈال دیا اور اس میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے اور یہ "بھاں بھاں" کرنے لگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اچھا اب تیرے لئے دنیا میں یہ سزا تجویز کی گئی ہے کہ تو پاگلوں کی طرح مارا مارا کھتا پھرے کہ دیکھنا مجھ کو ہاتھ نہ لگانا یہ تو دنیوی عذاب ہے اور قیامت میں ایسے نافرمانوں اور گمراہوں کیلئے جو عذاب مقرر ہے وہ تیرے لئے وعدہ الہی کی صورت میں پورا ہونے والا ہے۔

اے سامری! یہ بھی دیکھ کہ تو نے جس گوسالہ کو معبود بنایا تھا اور اس کی سمادھ لگا کر بیٹھا تھا ہم اس کو آگ میں ڈال کر خاک کئے دیتے ہیں اور اس خاک کو دریا میں پھینک دیتے ہیں کہ تجھ کو اور تیرے ان بےوقوف مقتدیوں کو معلوم ہو جائے کہ تمہارے معبود کی قدر و قیمت اور طاقت و قوت کا یہ حال ہے کہ وہ دوسروں پر عنایت و کرم تو کیا کرتا خود اپنی ذات کو ہلاکت دنیا ہی سے نہ بچا سکا۔ بدبختو! یہ معمولی بات بھی نہ سمجھ سکے کہ تمہارا معبود صرف وہی ایک خدا ہے جس کا نہ کوئی ساجھی ہے نہ شریک اور وہ ہر شی کا عالم اور داتا ہے" (۳۱)

قرآنی الفاظ میں آخری جملے:

"انظرالی الھک الذی ظلت علیه عاکفا. لنحرقنه ثم لننسفنه فی الیم نسفا. انماالھکم اللّٰہ الذی لااله الاھو. وسع کل شئی علماً (۳۲)

(دیکھ تیرے (گھڑے ہوئے) معبود کا اب کیا حال ہوتا ہے جس کی پوجا پر جم کر بیٹھ رہا تھا۔ ہم اسے جلا کر راکھ کر دیں گے اور راکھ سمندر میں اڑا کر بہا دیں گے۔ معبود تو تمہارا بس اللہ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔ وہی ہے جو ہر چیز پر اپنے علم سے چھایا ہوا ہے)

" لنحرقنه ثم لننسفنه فی الیم نسفا. ہم اسے جلا کر راکھ بنا کر سمندر میں بہا دیں گے

ظاہر ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر اس کے متعلق اس وقت وحی کے نزول کا ذکر نہیں ہے۔ انہوں نے جو کیا وہ پیغمبرانہ بصیرت سے کیا۔ آخر اتنے بڑے ہنگامہ خیز مسئلے کا حل یہی تھا کہ سامری کو ایسی بددعا کرتے اور اس کے برے انجام کے متعلق ایسی پیشنگوئی کہ دنیا عبرت حاصل کرنے۔ اور اس کے خود ساختہ معبود کا یہ حال کہ نذر آتش کر کے اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیتے تاکہ اس کے ناپاک جراثیم سے دنیا ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جائے۔

محکمہ آثار قدیمہ والے ہوتے تو وہ کہتے کہ اسے عجائب خانہ میں محفوظ کر لیا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کی یادگار رہے۔ یہ ایک تاریخی چیز ہے۔ اس میں اس دور کی صنعت اور حرفت سے بھی

فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ محکمہ اوقاف والے ہوتے وہ کہتے کہ اتنا بڑا سرمایہ ہے اس کا ضیاع ایک ملکی خسارہ ہے اس سے بہت بڑے رفاہی کام کرکے خلق خدا کو نفع پہنچایا جاسکتا ہے۔

تاویل باز اور حیلہ جو زر پرست ہوتے تو وہ کہتے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس کی ہیئت تبدیل کرکے فقراء اور مساکین پر اسے تقسیم کردیا جائے۔ ہیئت کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔ لیکن وہ اللہ تعالی کے غیور پیغمبر تھے جو چیز شرک کا ذریعہ ہو اس کے جز اور کل کو اور مجسمے کو برداشت نہیں کرسکتے تھے اور یہ ہنگامی فیصلہ انہوں نے اپنی غیرت اور رائے سے کیا جس کی بعد میں خدا تعالی نے تائید اور توثیق کردی۔

ضروری ہے کہ ہنگامی حالات میں اہم فیصلے کرنے والا گروہ یا شخص غرور اور حسد جیسے مرض میں مبتلا نہ ہو۔ ضدی۔ نفس پرست اور اپنے خیال کا پابند نہ ہو۔ ایک اٹل بات پر چہ میگوئی اور معترضانہ بحث کی پروا کئے بغیر قائم رہے۔ صاحب عزم ہو اور اعتقاد کامل کا مالک ہو۔ غیر یقینی کیفیت سے مبرا ہو۔ طبعاً کمزور نہ ہو۔ بے لوث ہو۔ اسے اقتدار چھن جانے کا خوف ہو نہ اقتدار کی طمع۔ خدا تعالی کی عظمت اور حدود خداوندی کے نفاذ اور اسلامی اقدار کے بحال کرنے میں خلق خدا سے بے نیاز ہوکر وقت کے مداہنت پرست اور سامریوں کے خلاف ایسا جرات مندانہ اقدام کرے کہ دنیا حیران رہ جائے۔

## سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ اہم واقعات

اسی سلسلہ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اہم واقعات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بعض میں وہ بادشاہ سے مخاطب ہیں جن کا مناظرے کی شکل میں ظہور ہوا۔ پھر وہ قوم سے مخاطب ہیں جس کا ظہور قوم کی افہام و تفہیم بلیغ انداز میں ہوا۔

## ۱۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے میں جو وقت کے بادشاہ سے ہوا آپ نے اپنے معبود کا تعارف ان الفاظ میں کیا:

ربی الذی یحیی ویمیت — میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

اس نے بھی شاہانہ گھمنڈ میں معارضہ کرتے ہوئے اپنے بارے میں اسی دلیل کو لوٹادیا اور کہا:

انا احیی وامیت — میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں

گو یہ احیاء واماتت اس معنی میں نہیں تھی جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے کلام میں مراد تھی۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی لکھتے ہیں کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا اگر میں نے اس موقع پر موت وحیات کے دقیق فلسفہ پر بحث شروع کردی تو نمرود عوام کو مغالطہ میں ڈال کر اصل معاملے کو الجھا دیگا۔ فوراً اس دلیل کو نظر انداز کرکے سمجھانے کا ایک دوسرا پیرایہ اختیار کیا۔ اور ایسی دلیل پیش کی جس کا صبح وشام ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا اور بغیر کسی منطقی دلیل کے روز وشب کی زندگی میں اس سے دوچار ہوتا ہے" (قصص القرآن، ج:۱)

**"قال ابراھیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر. واللہ لایھدی القوم الظالمین" (۳۳)**

(ابراہیم نے کہا! پس اللہ تعالی تو سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ۔ اس پر بدحواس ہوگیا وہ جس نے کفر کیا۔ اور اللہ تعالی ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

اس واقعہ میں یہ راز مضمر ہے کہ داعی کا اصل مقصود بحث ومباحثہ اور جدل وجدال نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل لوگوں کے دماغ اور قلب میں خدائے واحد کا یقین پیدا کرنا مقصد وحید ہوتا ہے۔ اس لئے انہوں نے پہلی دلیل کو یکسر نظر انداز کردیا۔ اور ہنگامی صورت حال کے مطابق ایسا جواب دیا کہ الوہیت کا مدعی بدحواس ہوکر رہ گیا۔

## سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اسلوب اور قوم کی تفہیم

**"وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین" (۳۴)**

(ہم ابراہیم کو آسمان اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے اور تاکہ انہیں یقین آجائے)

قوم ستارہ پرست تھی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب چاہا کہ قوم کو مسئلہ توحید اس پیرائے میں سمجھائے جو منطقی دلائل کی بجائے مشاہدہ پر مبنی ہو۔ ابتدائی منازل ستارے چاند سے ترقی کرتے ہوئے ان کے معبود اعظم آفتاب کی الوہیت کا مبنی بر دلائل انکار کیا۔ یعنی ان کی خدائی کو بقول شما اگر تسلیم کرلیا جائے تو ان میں سے رات کے کچھ حصے تک ایک کی خدائی رہتی ہے۔ دوسرے کی خدائی رات بھر یا پھر پوری رات تک رہتی ہے پھر وہ زوال پذیر ہوجاتے ہیں۔ تیسرا جب اپنا جاہ وجلال دکھاتا ہے تو ساری فلکی کائنات ماند پڑجاتی ہے۔ بالاخر وہ بھی بایں ہمہ "سراجاً منیرا" کائنات کا چھلکتا ہوا روشن چراغ ماند پڑجاتا ہے۔ اور خستہ حالت میں الوداع کرجاتا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہر ایک کا بروقت ذکر کرتے

ہیں۔ ان کے عروج وزوال سے قوم کی فہمائش کرتے ہیں کہ معبود تو ایسے نہیں ہوا کرتے۔ آپ کا پہلے ان کی خدائی کا اقرار اور پھر انکار اس سے مسئلے کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ ہر طبقے کے لوگ اپنے اذہان کے مطابق آپ کے نقطہ نظر سے بخوبی واقف ہوگئے۔ قرآن نے اس ہنگامی صورت حال کا بہت اچھا نقشہ پیش کیا ہے۔ جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ ایک داعی اور حجت (استدلال) سے کام لینے والے شخص کو اپنے فرائض سے کس طرح عہدہ برآ ہونا چاہیے۔ صاحبِ قصص القرآن تحریر فرماتے ہیں:

تاروں بھری رات ختم ہوئی۔ چمکتے ستارے اور چاند سب نظر سے اوجھل ہوگئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اب آفتاب عالمتاب کا رخ روشن آرا ہے۔ دن نکل آیا اور وہ پوری آب وتاب سے چمکنے دھمکنے لگا۔

ابراہیم علیہ السلام نے اس کو دیکھ کر فرمایا" یہ ہے میرا رب کیونکہ یہ کواکب میں سے بڑا ہے اور نظام فلکی میں اس سے بڑا ستارہ ہمارے سامنے دوسرا نہیں ہے" لیکن دن بھر چمکنے اور روشن ہونے اور تمام عالم کو روشن کرنے کے بعد وقت مقررہ پر اس نے بھی عراق کی سرزمین سے پہلو بچانا شروع کردیا اور شب دیجور آہستہ آہستہ سامنے آنے لگی اور آخر کار وہ نظروں سے غائب ہوگیا تو اب وقت آپہنچا کہ ابراہیم علیہ السلام اصل حقیقت کا اعلان کردیں اور قوم کو لاجواب بنادیں کہ ان کے عقیدہ کے مطابق اگر ان کواکب کو ربوبیت اور معبودیت حاصل ہے تو اس کی کیا وجہ؟ کہ ہم سے بھی زیادہ ان میں تغیرات نمایاں ہیں۔ اور یہ جلد جلد ان کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر وہ معبود ہیں تو ان میں افول۔ کیوں ہے جس طرح چمکتے نظر آتے ہیں اسی طرح کیوں چمکتے نہ رہے۔ چھوٹے ستاروں کی روشنی کو ماہتاب نے کیوں ماند کردیا اور ماہتاب کے رخ روشن کو آفتاب کے نور نے کس لئے بے نور بنادیا۔

پس اے قوم میں ان مشرکانہ عقائد سے بری ہوں اور شرک کی زندگی سے بیزار بلاشبہ میں نے اپنا رخ صرف اسی ایک خدا کی جانب کرلیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔ میں حنیف ہوں اور مشرک نہیں ہوں" (۳۵)

## ۳۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے غلط فہمی پر مبنی تین اشکال اور ان کے جوابات

اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے آپ کو سقیم کہنا۔ بت خانہ میں جا کر بڑے کو چھوڑ کر اور بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردینا اور اس پر یہ کہنا" بل فعلہ کبیرھم" ان کے بڑے نے کیا ہے۔ اور حضرت سارہؓ کے بارے یہ کہنا کہ یہ میری بہن ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کا ظاہری پہلو غلط معلوم ہوتا ہے۔ واقع میں

آپ بیمار نہ تھے۔ بت خود آپ نے توڑے تھے۔ حضرت سارہؓ آپ کی زوجہ مبارکہ تھیں۔
اگر ذرا سا غور کیا جائے تو ان کا باطنی پہلو یہ ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اصنام اور کواکب پرستی کے اس دور میں مضطرب طور سے واپسی پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا گوسالہ پرستی کے خلاف جلال اور وغضب کا تو قرآن نے ذکر کیا ہے "توراۃ کی تختیوں کو پھینک دیا۔ اپنے بھائی جو ان کے ماتحت پیغمبر تھے ان کی داڑھی پکڑلی اور سر کے بال کھینچے۔ اور سامری کو بددعا دی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے جذبات تو اور اہم تھے۔ وہ تو عملی کارگزاری کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔ ستاروں کی طرف نظر کر کے اپنے آپ کو بیمار کہنا یہ باور کرانے کیلئے تھا کہ تمہارے اعتقاد میں ستارے مستقل تاثیر رکھتے ہیں کسی طرح غلط نہیں ہوسکتا)۔

## بت خانہ کی بربادی کی نسبت بڑے بت کی طرف کرنا

اس پر بس نہیں بلکہ سلسلہ کلام جاری ہے۔

" بل فعله كبيرهم هذا فاسئلوهم ان كانوا ينطقون"(۳۶)

(بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ کیا ہے، ان سے ذرا دریافت تو کرلو۔ اگر وہ بول سکتے ہیں)

یعنی وہ بول سکتے ہیں نہ ان سے آپ دریافت کریں گے۔ اسی طرح حضرت سارہ کو بہن کہنا معنی معروف میں تھا۔ جس کا بعد میں حضرت سارہ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اظہار بھی کیا تھا۔

بخاری میں ہے:

"عن ابی هريرة قال قال رسول اللهصلى اللهعليه وسلم لم يكذب ابراهيم الا ثلثا ثنتين منهن فى ذات اللهقوله انى سقيم وقوله بل فعله كبيرهم هذا وقال بينماهو ذات يوم وسارة اذاتى على جبارمن الجبابرة فقيل له ان ههنا رجلامعه امراة من احسن الناس فارسل اليه فسئله عنها فقال من هذه قال اختى فاتى سارة فقال ياسارة ليس على وجه الارض مؤمن غيرى وغير ك وان هذا سالنى فاخبرته انك اختى فلا تكذبنى(۳۷)

(ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں کہا مگر صرف تین۔ دو تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہیں۔ میں بیمار ہوں۔ ان کے بڑے نے یہ کام کیا ہے۔ ابراہیم اور سارہ ایک روز ظالم بادشاہوں میں سے ایک ظالم (کے علاقہ) سے گزرے۔ تو اس کو کہا گیا یہاں ایک ایسا شخص ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جو حسین تر ہے۔ ابراہیم کے پاس قاصد بھیجا اور عورت کے بارے میں

ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا یہ میری بہن ہے۔ پھر ابراہیم سارہ کے پاس آئے اور کہا اے سارہ اس وقت روئے زمین پر تیرے اور میرے سوا کوئی مومن مرد اور مومن عورت نہیں ہے۔ اس شخص نے مجھ سے آپ کے بارے پوچھا ہے۔ میں نے اسے بتلادیا کہ یہ میری بہن ہے۔ تو مجھے جھوٹا نہ بتانا۔

اتنی سی بات تھی جس پر بعض مجددین نے بہت بڑی حاشیہ آرائی کی مثلاً کسی نے لکھا:

"یہ حدیث ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے۔ اور اس میں جن تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تینوں ہی محل نظر ہیں" اور کسی نے یہ لکھا: ہمارے لئے یہ تسلیم کرلینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم و تعبیر حدیث میں غلطی ہو گئی ہے۔ بمقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کرلیں"

واقعہ یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا نہیں کہا گیا بلکہ سید الاولین والاخرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل توراۃ میں اور عوام میں جو تین جھوٹ آپ سے منسوب و مشہور تھے ان کا رد کیا گیا اور ثابت کیا گیا ہے کہ آپ صادق سے بڑھ کر صدیق ہیں۔

ہمارے شیخ استاذ مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے:

"اس حدیث کے مفہوم میں بڑے بڑے علماء کے قدم ڈگمگا گئے۔ وہ سمجھے کہ اس حدیث کا سیاق ، (روانی کلام) ابراہیم علیہ السلام کے جھوٹ کا ثبوت فراہم کرنا ہے۔

بعض نے کہا یہ حدیث قرآن کے معارض ہے۔ قرآن نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے یہ کہا:

"انه كان صديقاً نبيا" (وہ بہت سچے نبی تھے)

اور کسی نے اس کی بے جا تاویل کی جس پر صاحب نظر قناعت اور اکتفاء نہیں کر سکتا۔ واقع میں اس حدیث کا سیاق کذب کا اثبات نہیں بلکہ اس حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کا صدق اور آپ کی صفائی کا بیان مقصود ہے۔ کذب کجا اور آپ کی ذات بابرکات کجا۔ آپ اس سے اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے سچے تھے۔ جو تین جھوٹ آپ کی جانب منسوب ہیں۔ ان کی حقیقت یہ ہے۔ ان میں دو تو ذات باری تعالیٰ (توحید) میں ہیں۔ محاورہ عرب میں فی ذات اللہ کا اطلاق اس فعل میں ہوتا ہے جس میں مضائقہ اور کسی قسم کا حرج محسوس نہ کیا جائے۔ کہا جاتا ہے ہے "لاحرج فيه ولا جناح علیه" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب چھوٹی انگلی ایک جنگ میں زخمی ہو گئی تو آپ نے فرمایا:

"هل انت الا اصبع دميت وفى سبيل الله ما لقيت"

(تو ایک انگلی ہے جو خون آلود ہو گئی ہے اور اللہ کی راہ میں تجھے تکلیف پہنچی ہے۔)

۱- یہ بھی قابل غور ہے۔ بیماری جیسے بدن کو لگتی ہے اسی طرح دل وجان اور روح بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں جب لاکھوں انسان اصنام اور کواکب پرستی کے اوہام میں مبتلا ہوں تو امام الانبیاء کی روح کا کیا حال ہوگا۔ ایسی صورت میں یہ لوگ سکون سے بیٹھ سکتے ہیں؟۔

۲- بل فعلہ کبیرھم کے معنی "بزعمھم" یعنی تمہارے اعتقاد میں بڑا بت ہی ایسا کرسکتا ہے۔ ایسے ہے جیسے موسی علیہ السلام نے سامری کو خطاب کرکے کہا:

"انظر الی الھک الذی ظلت علیه عاکفا"

(اس میں بچھڑے کی طرف سامری کے الٰہ ہونے کی نسبت کی گئی ہے۔ حالانکہ وہ سامری کا الٰہ نہیں بلکہ اللہ تعالی ہی ہیں۔

۳- سارہ کو بہن کہنا ارشاد خداوندی کی ترجمانی ہے۔ انما المؤمنون اخوۃ" سب مومن آپس میں بھائی ہیں۔ حالانکہ ان میں باپ بیٹا، پوتا، سسر اور داماد وغیرہ ہوتے ہیں۔ تو یہ کلام واقعی اور حقیقت حال کے عین مطابق ہے۔(۳۸)

## الاعتبار والتاویل

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ان وقائع سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امور متعارضہ میں ہمیشہ الاھم فالاھم کے طریقہ کار کو اپنانا چاہیے۔ معمولی اور شخصی فائدے کیلئے عوامی - مذہبی اقتصادی ، سیاسی - انفرادی اور اجتماعی فائدے کا خون نہیں کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں جان کی بازی لگانی پڑے تو اس سے گریز نہ کرے۔ خصوصاً جبکہ معاملہ توحید باری تعالیٰ اور عزت وناموس کا ہو تو اس وقت اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ضرورت کے اس ضابطہ میں اکثر مرد میدان اکیلا اور تنہا رہ جاتا ہے۔ اس کا ہمنوا کوئی نہیں ہوتا اگر وہ اس ضرورت کو سمجھتا ہے۔ اور اس کے تقاضے سے پوری طرح آگاہ ہے تو پھر اس میں کمزوری نہیں دکھانی چاہیے۔ یہ عوام کا وظیفہ نہیں کسی زیرک اور صاحب فہم وفراست کا کام ہے۔ کہ وہ اپنے لئے ایک راہ متعین کرے اور پھر اس پر بے خوف وخطر چل پڑے۔

یہ بھی لازم ہے کہ اپنے عوامل سے ملک وملت کو آگاہ کرے اور اپنے نظریات کی اشاعت کیلئے وقت کے ذرائع ابلاغ سے پورا پورا کام لے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے:

"بل فعله کبیرهم هذافاسئلوهم ان کا نوا ینطقون"(۳۹)

جیسے الزامی جواب سے تبلیغ کا حق ادا کردیا جس نے حاضرین کو مبہوت کردیا اور ان سب سے اس کا جواب الجواب نہ بن پڑا۔ اور سرنگوں ہوگئے۔

# سیدنا یوسف علیہ السلام کے پانچ تاریخ ساز ہنگامی واقعات

۱- سیدنا یوسف علیہ السلام کا بادشاہ کے قاصد کو ناکام لوٹادینا

۲- سیدنا یوسف علیہ السلام کا بادشاہ سے خزائن مصر کی وزارت طلب کرنا۔

۳- اپنے بھائی کے برتن میں پیمانہ ڈال کر بھائیوں کو چور بنا کر پکڑلینا

۴- صرف چھوٹی سی ایک درخواست پر اپنے بھائیوں کو معاف کردینا

۵- شخصی شہادت کی بجائے ایک شاہد کا سیدنا یوسف علیہ السلام کی صفائی میں ضابطہ عقلی بیان کرنا

۱- سیدنا یوسف علیہ السلام جیل میں ہیں۔ بادشاہ کا قاصد دوڑے آیا اور کہا کہ بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر کی خوشی میں آپ کو اپنے پاس بلایا ہے۔ یہ ضابطۂ قانون اور پھر اس شخص کو صفائی کا موقعہ دئے بغیر بلانا یہ ایک اخلاق کے خلاف تھا۔ اب سیدنا یوسف علیہ السلام کیلئے زبردست امتحان تھا۔ جیل سے باہر نکل آتے یا استقامت دکھاتے۔ آپ نے قاصد کو یہ کہہ کر باشادہ کی پیش کش کو ٹھکرادیا۔ جاؤ اور بادشاہ سے کہو" ان عورتوں کا کیا قصہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے" بادشاہ نے فوراً عدالت قائم کی۔ سب عورتوں نے یک زبان ہو کر کہا:

"ما علمنا علیه من سواء" (ہم نے اس میں ذرہ برابر برائی نہیں دیکھی)

اور خود عزیز مصر کی بیوی بول اٹھی:

"الئٰن حصحص الحق انا راودته عن نفسه وانه لمن الصادقین(۴۰)

(حق ظاہر ہو گیا۔ میں نے اپنی طلب نفس کا اس سے اظہار کیا تھا۔وہ بالکل سچے ہیں۔)

جیل سے باہر نہ آنا اور اپنی براءت کیلئے پیشگی فیصلے کا مطالبہ یہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی بڑی عزیمت تھی جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

آپ کی اس اولوالعزمی کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تواضعاً فرمایا:

"لوکنت لاحببت الداعی" (اگر یوسف(کی جگہ)میں ہوتا تو قاصد کی بات پر لبیک کہتا)

آپ کے اس بیان سے شان یوسفی کا اظہار مطلوب ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام کہیں اعلیٰ اور ارفع ہے۔

۲. قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم (۴۱)

(یوسف نے کہا مجھے مصر کے خزائن پر مقرر کردو۔ میں حفاظت کرنے والا صاحب علم ہوں)

دربار شاہی میں باریابی ہوئی اور آپ نے اس سے اس موضوع پر گفتگو کی۔ بادشاہ نے بہت قدر افزائی کی اور کہا:

"انک الیوم لدینا مکین امین" (آج آپ ہمارے ہاں صاحب مرتبہ اور صاحب امانت ہیں)
تو اسی دوران آپ نے ان سے منصب وزارت خزانہ طلب کیا۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ جس کے خواب اور اس کی تعبیر اور پھر سیدنا یوسف علیہ السلام کی تدبیر سے مطلع ہوا تو اس نے اس سلسلہ میں آپ پر اطمینان کا اظہار کیا۔ ادھر ملک کی زبوں حالی اور آئندہ پے درپے خشک سالی جس کے خطرے سے خواب میں آگاہ کیا گیا تھا اس کی متقاضی تھی کہ ملک کی تھوڑی بہت پونجی کو بچالیا جائے اور زمام اختیار کے ذریعہ کنٹرول حاصل کرکے وقت کے ساتھ ملک کے اقتصادی نظام کو چلایا جائے تاکہ آنے والے بحران پر قابو پایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کیلئے آپ کا انتخاب کیا تھا۔ اس لئے حالات سے قبل خواب کی تعبیر اور تدبیر سے آپ کو آگاہ کردیا۔ آپ اپنے سے زیادہ کسی اور میں یہ صلاحیت محسوس نہیں کرتے تھے۔ لہذا ضروری ہوگیا تھا کہ خلق خدا کے نفع کی غرض سے آپ اس عہدہ کو طلب کرتے۔ علامہ ثعالبی نے قحط کے ابتدائی دور میں آپ کی ایک دلچسپ داستان سنائی ہے کہ آپ نے ملکی ترقی اور اقتصادی خوش حالی کےلئے کیا کیا اقدام کئے، لکھتے ہیں۔

قحط سالی کے پہلے سال کا آغاز ہوا تو آبادی کے سالوں میں تیار کردہ ذخیرہ خوراک ختم ہوگیا۔ اہل مصر نے یوسف علیہ السلام سے خوراک خریدنا چاہی:

پہلے سال: سونے اور چاندی کی نقود کی شرط پر غلہ دینا شروع کیا حتی کہ مصر میں کسی کے پاس نقدی نہ رہی۔ یوسف علیہ السلام نے ان سے بیع میں لاکر خزانہ میں جمع کردی۔

دوسرے سال: زیور، اعلی لباس اور جواہر کے عوض غلہ فروخت کیا حتی کہ اس جنس سے لوگوں کے پاس کچھ نہ رہا۔

تیسرے سال: مویشی اور جانور لئے اور ان سب پر قبضہ کرلیا۔

چوتھے سال: غلام اور لونڈیوں کے عوض تاآنکہ کسی کے پاس کوئی غلام اور لونڈی نہ رہی۔

پانچویں سال: سازوسامان، آباد زمین اور گھر بار خرید لیا۔ مصریوں کی مالکی ختم ہوگئی۔

چھٹے سال: ان کی اولادوں کو گروی کرلیا۔ ایسی تنگدستی اور بدحالی پیش آئی کہ ایک شخص شدت قحط کی وجہ سے گندم اور جو کے عوض ۔۔۔۔ اپنے بچے کو فروخت کردیتا تھا۔

ساتویں سال: ان کی جان ومال اور ارواح کا سودا کیا۔ ازیں بعد مصر میں کوئی آزاد نہ رہا نہ غلام اور نہ لونڈی جو ملک سرکار نہ ہو۔

"تتعجب الناس من امر یوسف وقالواتاللّٰہ مارائینا ملکاً اجل من ھذا واعظم ثم قال

یوسف فانی اشھد اللّٰہ واشھدک انی قد اعتقت اھل مصر جمیعاً ورددت علیھم عقارھم وعبیدھم واولادھم"(۴۲)

(یوسف علیہ السلام کے اس طریقہ کار سے لوگ حیران رہ گئے اور کہنے لگے ہم نے ایسے جلیل القدر اور عظیم بادشاہ کو کبھی دیکھا ہے نہ سنا ہے۔ پھر یوسف علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ کو اور (اے بادشاہ) آپ کو گواہ بناتا ہوں۔ میں نے سب اہل مصر کو آزاد کردیا اور ان کی زمین۔ غلام اور اولادوں کو آزاد کردیا ہے)

ذرا غور فرمائیے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی اس حکمت عملی میں کتنے اسرار مضمر تھے، مثلاً

۱۔ ملک کے اساسی املاک نقود اور دیگر مال ومتاع بیرون ملک سمگلنگ ہو کر نہ جائیں بلکہ بیت المال کا حصہ بن جائیں

۲۔ ان پریشان کن حالات میں لوگ راہ فرار اختیار نہ کریں بیت المال میں اتنی وسعت اور قوت پیدا ہو کہ وہ ہر مشکل کا مقابلہ کرسکے:

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ

۳۔ جعل السقایۃ فی رحل اخیہ ثم اذن مؤذن ایتھا العیر انکم لسارقون"(۴۳)

(یوسف علیہ السلام نے پیالہ اپنے بھائی کے غلہ کے برتن میں رکھا پھر منادی نے آواز دی۔ اے قافلہ کے لوگ! تم چور ہو)

سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو آتے ہی بتادیا تھا:

"انی انا اخوک" (میں تیرا بھائی یوسف ہوں)

آپ نے قافلہ کی روانگی کے وقت پیالہ اپنے بھائی کے برتن میں رکھا۔ یہ بات بھائی کے علم میں تھی اور اس کی رضا سے یہ کیا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کا اول آخر ارادہ یہ تھا کہ کسی طرح وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لیں اور زیادہ دیر تک اپنے بھائی کو ان برادران کا ستم کش نہ ہونے دیں۔ لیکن اشکال یہ تھا:

"ماکان لیاخذ اخاہ فی دین الملک الاان یشاء اللّٰہ"

(یعنی مصر کے مروجہ نافذ العمل قانون کی رو سے وہ اس کے مجاز نہ تھے کہ اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لیں الا برضائے خدا۔ البتہ دین یعقوبی میں اس کی گنجائش موجود تھی۔ حصول حق کیلئے اس قانون سے مدد لی۔ اور برادران اپنے اقرار سے پکڑے گئے۔ اور کہنے لگے:

"جزاءہ من وجد فی رحلہ فھو جزاءہ (چور کا بدلہ یہ ہے "جس کے برتن سے وہ پیالہ ملے وہی اس کی جزا ہے)

رہا یہ سوال کہ منادی نے ان کو چور کے نام سے کیوں پکارا؟ مراد یہ ہے کہ سیر وسیاحت اور شکار کے بہانے ایک اسکیم کے تحت برادران نے یوسف کو اپنے باپ سے حاصل کیا۔ پھر چھپالیا اور خیانت کی خائن چور ہوتا ہے۔اس کے برعکس سیدنا یوسف علیہ السلام کا مواخذہ حقائق پر مبنی تھا۔ انہوں نے اپنے بھائی کو راضی کرلیا تھا۔ گو اس ہنگامی صورت حال میں اپنے حق کے حصول کیلئے دین یعقوبی کو اس کا ذریعہ بنایا۔اس آیت کے ایک جز "نرفع درجات من نشاء" کی تفسیر میں علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:

**"وفی ذلک تنبیہ علی ان العلم الدقیق بلطیف الحیل الموصلۃالی المقصودالشرعی الذی یحبہ اللّٰہتعالی ورسولہ، من النصردینہ وکسر اعدائہ ونصر المحق وقمع المبطل صفۃ مدح یرفع اللّٰہ تعالی بھادرجۃ العبد، کمااں العلم الذی یخصم بہ المبطل ویدحض حجتہ صفۃمدح یرفع بھاعبدہ کماقال سبحانہ فی قصۃابراھیم علیہ السلام ، ومناظرتہ قومہ، وکسر حجیتھم(وتلک حجتنا اتیناھا ابراھیم علی قومہ نرفع درجات من نشاء)وعلی ھذا فیکون من الکیدماھومشروع ، ولکن لیس ھو الکید الذی تستحل بہ المحرمات، وتسقط بہ الواجبات فان ھذا کید اللّٰہ تعالی ودینہ ، فاللّٰہ سبحانہ ودینہ ھو المکیدفی ھذا القسم، فمحال ان یشرع اللّٰہ سبحانہ ھذا النوع من الکید(۴۴)**

(وہ نفیس حیلے جو مقاصد شرعی تک رسائی کا موجب ہوں۔ وہ مقاصد جو اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کو محبوب ہیں مقاصد مثلاً نصرت دین اور شکست اعداء دین۔ حق پرست کی حمایت اور باطل پرست کا قلع قمع کرنا ایسی اچھی صفت ہے جس کےذریعہ اللہ تعالی اپنے بندے کے درجے بلند کرتا ہے۔ جیسے وہ علم مناظرہ وجدل جس سے باطل پرست کو رد کیا جاتا ہے اور اس کی غلط حجت کو توڑا جاتا ہے۔ ایسی اچھی تعریف ہے جس کی بدولت اللہ تعالی اپنے بندے کے درجے بلند کرتا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ابراھیم ﷺ کے قصے میں اور قوم کے ساتھ آپ کے مناظرے اور ان کی حجت کو توڑنے کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے:

**"وتلک حجتنا اتیناھا ابراھیم علی قومہ نرفع درجات من نشاء"**

(یہ ہماری حجۃ ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم کے خلاف ہم نے عطا کی۔ ہم جس کے متعلق چاہتے ہیں اس کے درجات بلند کردیتے ہیں)

بعض حیلے مشروع ہوتے ہیں نہ وہ حیلے جن کے ذریعہ محرمات کو حلال سمجھ لیا جائے اور واجبات کو

ساقط اور غیر ضروری۔ کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالی کی ذات اور اس کے دین سے فریب کرنا لازم آتا ہے۔ لہذا محال ہے کہ اللہ تعالی ان غلط حیلوں کی اجازت دے۔

## الاعتبار والتاویل

سیدنا یوسف علیہ السلام نے برادران کے اس قصہ میں خیانت اور دھوکہ کی سیاست نہیں کی۔ مندرجہ بالا کیس میں صرف اپنے بھائی کو روکا جس کو پیشگی رضامند کرلیا گیا تھا۔ دوسروں سے تعرض نہیں کیا۔ الزام کے بدلے الزام۔ خیانت اور سب وشتم کی پالیسی نہیں اپنائی۔ البتہ یہ کیا کہ ملکی قانون کی بجائے کسی اور غیر ملکی بالاتر قانون کی رو سے حصول حق کی کوشش کی۔ جو دائرہ اخلاق میں داخل ہے۔ خصوصاً جبکہ غیر ملکی قانون فریق ثانی کے مسلمات میں سے ہو اور ان کے اقرار سے اس کی تصدیق ہو چکی ہو۔

۴۔ لاتثریب علیکم الیوم. یغفر اللہ لکم وھو ارحم الرحمین (یوسف رکوع: ۱۰)
(آپ پر آج کے روز کوئی الزام نہیں۔ اللہ تعالی آپ سے در گزر کرے وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے)

## بلاشرط عام معافی کا اعلان

سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے ذاتی دشمنوں کو بھائیوں کی صرف ایک معمولی سی معذرت پر معاف کردیا۔ اصطلاحی اور عرفی طور پر عام معافی کا اعلان کردیا۔ جنگی اور سیاسی قیدی جن سے اندیشہ خوف وخطر نہ ہو انہیں بلاشرط رہا کردینا وسعت ظرافت اور اصحاب عزیمت کا کام ہے۔ سید الاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ایسے واقعات بیشمار پیش آئے ہیں چنانچہ ایک دفعہ یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو آپ کے سواروں نے گرفتار کیا۔ مدینہ میں لاکر مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا۔ چنانچہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استفسار پر تین پیشکشیں کیں۔

"یا محمد عندی خیر" (اے محمد میرے پاس ایک بہتر تجویز ہے)

"ان تنعم تنعم علی شاکر. وان تقتل تقتل ذادم. وان کنت ترید المال فاسئل ماشئت"
(یعنی اگر احسان کریگا تو ایک قدردان سے آپ کو واسطہ پڑیگا۔ (میں اس احسان کی قدر کروں گا) اگر مجھے قتل کریگا تو ایک واجب الدم کو قصاص میں قتل کریگا۔ اور اگر آپ مال لینا چاہتے ہیں تو جس قدر مرضی ہو اس کا مطالبہ کرو۔ تین دن کے ان مذاکرات کے بعد آپ نے حکم دیا:

اطلقوا ثمامة"　　(ثمامہ کو (بلاشرط) رہا کردو)
آپ نے اسلام قبول کرنے کی شرط بھی نہیں لگائی۔
اتنے میں وہ مسجد کے قریب نخلستان کے قریب چشمہ میں غسل کرکے لباس بدل کر مسجد میں قدم رکھتے ہی کہتا ہے:
"اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده وسوله"والقصة بطولهامذكورة فى كتب الحديث)

۵- وشهد شاهد من اهلها"　　(عزیز مصر کی بیوی کے خاندان میں سے ایک شخص نے گواہی دی)(۴۵)

سیدنا یوسف علیہ السلام پر ناحق الزام کی نوعیت سخت ہو گئی۔ مصر کی دھرتی میں سچے اور جھوٹے کا امتیاز مشکل ہو گیا۔ اس مدعیہ کے خاندان میں سے ایک باخدا صاحب فراست نے چاہا کہ شہادت حق کا فریضہ ادا کرے۔ لیکن اداء شہادت کی شکل وصورت کیا ہو۔ یہ ایک معمہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو اس کی تعبیر سے بروقت مطلع کر دیا۔ وہ گویا ہوئے اگر اس کا قمیص آگے کی طرف سے پھٹا ہے تو وہ عورت سچ کہتی ہے۔ اور مرد جھوٹا ہے۔ اور اگر اس کے برعکس قمیص پیچھے کی طرف سے پھٹا ہے تو وہ عورت جھوٹ کہتی ہے اور مرد سچا ہے۔ جب تفتیش کی گئی اور خود فیصل نے یعنی عزیز نے دیکھا کہ قمیص تو پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو عورتوں سے کہا یہ سب تمہارا فریب ہے۔ اور از راہ پردہ داری سیدنا یوسف علیہ السلام سے درخواست کی:
"یوسف اعرض عن ھذا واستغفری لذنبک انک کنت من الخاطئین"
(یوسف! اس بات سے اعراض اختیار کرو۔ اور اے مدعیہ تو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔ تو ہی خطاکاروں میں شامل ہے)

غور فرمائیے۔ کیسا بے لاگ اور اصولی تبصرہ ہے۔ آج اس دور میں اکثر ہمارے صحافیوں کو یہ شکوہ رہتا ہے۔ "مارشل لا نافذ ہے، ہنگامی حالات ہیں۔ اخبارات پر سنسر شپ عائد کر دیا گیا ہے۔ ذرائع ابلاغ پر مکمل پابندی ہے۔ صحیح حالات کا علم عنقا ہے۔ کہیں روشنی کی کرن نظر نہیں آتی" بعینہ یہی حالات سرزمین مصر میں تھے۔ اور کافی عرصہ تک رہے ہیں۔ حتیٰ کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دور میں آل فرعون سے رجل مؤمن کی تقریر اور غیر جانبدارانہ تبصرہ اسی زمرے میں آتا ہے۔ القصہ احقاق حق اور ابطال باطل سے اس مرد حق آگاہ کو کوئی طاقت نہ روک سکی۔ اور نہ یہ کسی کے بس میں ہے۔

اہل صحافت یہ بھول گئے ہیں کہ فطری اور طبعی اصول نہیں بدلتے۔ ان کے کلیات ابدی اور غیر متبدل ہیں۔ اور ان پر ہر دور میں بحث کی جاسکتی ہے۔ ہر حکومت ان حالات سے دوچار ہوتی ہے جو پہلی حکومتوں کو پیش آئے اور جو نتائج انہوں نے بھگتے ان کو بھی بھگتنے ہوں گے۔ تقابلی مطالعہ کے ممکنہ طریقے ہر صاحب دل کو دعوت نظر وفکر دے رہے ہیں اس کائنات میں عدل وانصاف اور ظلم وستم کے اثرات بلاکم کاست ہمیشہ انقلابی شکل میں ظاہر ہوتے رہے ہیں اور ظاہر ہوتے رہیں گے۔ ہمارے اس موضوع کیلئے یہ ابحاث کافی اور شافی ہیں۔

## ۴۔ سیدنا داؤد علیہ السلام کا واقعہ اور فیصلہ

سیدنا داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو پھر سے عروج حاصل ہوا۔ نبوت اور خلافت کے حسین امتزاج سے اخلاق اور اعمال حسنہ کا غلبہ ہوا ملکی حالات بدلنا شروع ہوئے۔ اقتصادی اور سیاسی ترقی حاصل ہوئی۔ سیدنا داؤد علیہ السلام نے عبادت، عدالت اور دستکاری محنت کے اوقات تقسیم کر رکھے تھے۔ ایک واقعہ پیش آیا دو شخص آپس میں جھگڑ پڑے۔ ایک کے پاس ننانوے دنبیاں تھیں۔ دوسرے کے پاس ایک۔ امیر نے چاہا کہ مسکین سے وہ ایک چھین کر اپنی مقدار ۱۰۰ پوری کرلے۔ عبادت کے مخصوص دن وہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہوگئے۔ آپ نے اچانک خلاف عادت اس طرح دو انسانوں کو موجود پایا تو بتقاضائے بشری گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا گھبرائومت۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے مقدمہ فریق ہیں۔ سماعت کے بعد سیدنا داؤد علیہ السلام نے فرمایا" یہ اس کی زیادتی ہے۔ اور اس طریقہ سے چاہتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کا مال ہڑپ کرجائے۔ شرکاء کا عموماً یہی ایک دوسرے پر ظلم کرنے کا رویہ چلا آیا ہے۔ اللہ تعالی کے ایماندار اور نیک بندے اس سے مستثنی ہیں۔ مگر وہ بہت قلیل ہیں۔

اس قصے کے بعد داؤد علیہ السلام کو تنبہہ ہوا کہ یہ میرا امتحان تھا۔ اپنے رب کے سامنے نہایت عاجزی سے جھک گئے۔ اس قرآنی بیان میں چند جملے قابل غور ہیں۔

۱۔ اکفلنیہا" یہ ایک دنبی میری کفالت میں دے دو۔ چنانچہ ہر دور میں امراء اور جفاکش افراد کا یہ پیشہ رہا ہے۔ وہ اپنے فروتر شخص کے ہاں ادنی سی اچھی مثال دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ انہیں یہ گوارہ نہیں ہے۔ کسی کے پاس جزوی طور پر خوشحالی کا کوئی سامان پایا جائے۔ وہ اپنے اعزاز اور اقتدار کیلئے اس کو چیلنج سمجھتے ہیں۔

۲۔ "وعزنی فی الخطاب" اس نے کلام میں مجھے ڈانٹا ہے۔" یعنی مالی اعتبار سے طاقتور ہونے کے ناتے مجھ

سے بدسلوکی کرتا ہے" آج بھی ظلم وستم کی کہانی اسی بل بوتہ پر دہرائی جارہی ہے" ہم زور بازو رکھتے ہیں۔ اور جھگڑے کی صورت میں رائے عامہ ہمارے حق میں ہوگی" معروف عالمی عدالتیں بھی کمزور کو دبا سکتی ہیں اور قومی اور توانا حکومتوں پر ان کا زور نہیں چلتا۔ اللہ تعالی کے مقابلے میں دنیا کے اپنے بنائے ہوئے قوانین اتنے بودے ہیں کہ شیطانی چرخے کی طرح جو شخص جیسے چاہے اپنے حق میں انہیں گھما سکتا ہے۔ صاحب حق کو ان سے انصاف کی امید نہیں ہے۔

۳۔"وان کثیرا من الخلطاء لیبغی بعضهم علی بعض"(۴۶)

یعنی شرکاء کار ایک دوسرے پر تجاوز کرتے رہتے ہیں۔

کھاتہ شریک۔ اختیار اور اقتدار میں حصہ داران کا۔ ایک دوسرے پر ظلم وستم معروف ہے۔ ایمان اور عمل صالح کی دولت کے بغیر اس قسم کے ابتلا اور امتحان میں کامیابی مشکل ہے۔ دیکھ لیجئے مرکز کو صوبائی ریاستوں سے شکوہ ہوتا ہے کہ وہ ہمارا تعاون نہیں کررہی ہیں۔ اور صوبائی حکومتیں چلا رہی ہیں کہ مرکز ہمارے ذرائع معاش محدود علاقائی معیشت تنگ کرتا جارہا ہے اور ذرائع اسباب تنگ کررہا ہے۔ ہمارے اختیارات پر مرکز قابض ہے۔ ہمارے حقوق سلب کرلئے گئے ہیں۔ اور ترقی نا پید وغیر ذالک۔

سیدنا داؤدعلیہ السلام کی آزمائش یہ تھی کہ خلق خدا پر عبادت کے روز ان کی فریادرسی کا دروازہ بند کردیا تھا۔ صاحب قصص القرآن لکھتے ہیں:

"اس میں ایک دن کو عبادت الٰہی کیلئے اسی طرح خاص کرلینا کہ ان کا تعلق مخلوق سے منقطع ہوجائے اور منصب نبوت اور منصب خلافت کے منافی تھا اور حضرت داؤدعلیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر اور خلیفۃ اللہ کیلئے کسی طرح موزوں نہ تھا۔ اس لئے کہ حضرت داؤدعلیہ السلام کو اللہ تعالی نے ایک گوشہ نشین عابد وزاہد مرتاض کی حیثیت سے نہیں نوازا تھا۔ بلکہ ان کو نبوت اور خلافت بخش کر مخلوق کی دینی و دنیوی ہر قسم کی خدمت وہدایت کیلئے مبعوث فرمایا تھا۔ اور اسی طرح ان کی حیات طیبہ کا شاہکار" ہدایت خلق" اور خدمت خلق" تھا نہ کہ شہرت عبادت"(۴۷)

## سیدنا سلیمان علیہ السلام

سیدنا سلیمان علیہ السلام کے واقعات میں چند احوال سے مختصر طور پر بحث مطلوب ہے۔ جن میں ہنگامہ خیز صورت پیدا ہوگئی ہے۔ اور پیغمبرانہ شان کے مطابق آپ ان سے عہدہ برآ ہوئے ہیں:

"ردوھا علی فطفق مسحا بالسوق والاعناق(۴۸)

ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ۔ اتنے میں ان کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنا شروع کر دیں)
سیدنا سلیمان علیہ السلام اسی بات پر کامل یقین رکھتے تھے۔ کہ اللہ تعالی نے سیدنا داؤد (میرے باپ) کو ملک نبوت اور حکومت جیسی نعمتوں سے جہاد کی بدولت نوازا ہے۔:

"وقتل داؤد جالوت واٰته اللّٰه الملک والحکمة وعلمه مما یشاء (۴۹)

(داؤد نے جالوت کو قتل کیا۔ اللہ تعالی نے اس کو ملک اور حکمت دی اور اس کو وہ علم سکھائے جو چاہے)

وراثت داؤدی پر متمکن ہوتے ہوئے سب سے پہلے جس کام کا انہوں نے آغاز کیا وہ جہاد اور قتال مع الکفار کا سامان مہیا کرنے کی کوشش اور سعی تھی۔ جہاں کہیں اعلی نسل کے گھوڑوں کے متعلق سنتے حاصل کر لیتے۔ اس طرح ایک اچھی خاصی تعداد جمع کر لی۔ ان کی پرورش اور نگہداشت پر مستعد لوگ مقرر کئے۔ مدتہائے دراز تک عمل جاری رکھا۔ آپ کو ایک روز ان کے معائنہ کا خیال آیا۔ اور زوال سے شام تک اس نایاب جنس کی دوڑ، رفتار اور چال پر فریفتہ ہوگئے۔ غروب آفتاب تک یہ مرحلہ پورا ہوا۔ خدام کو انعامات سے نوازا مسرت اور شادمانی کی حد نہ رہی۔ فوراً یاد آیا اور دوبارہ ان گھوڑوں کی حاضری کا ہنگامی حکم صادر فرمایا۔ دوبارہ وہ منظر حدت اور کرب میں اپنی مثال آپ تھا، دیکھنے میں کیا آیا؟ ان ہی گھوڑوں کو جن کو اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کے باعث محبوبیت کا درجہ حاصل تھا۔ خنجر سے کاٹنا شروع کیا۔ بڑی سرعت سے دھڑ سے ان کی گردنیں اور پاؤں جدا کر ڈالے۔ مقربین بارگاہ اور درباری حیران وپریشان کھڑے تماشائی دکھائی دے رہے تھے۔ کسی کو یارہ سوال نہیں۔ جب آپ نے اپنی جلالی صفت کی تکمیل کر لی تو گویا ہوئے:

"انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب" (۵۰)

(میں ان سے وہ محبت کر بیٹھا جس نے مجھے میرے پروردگار کی یاد سے باز رکھا حتی کہ آفتاب اوٹ میں چلا گیا یعنی عصر کے وقت عبادت کا مقررہ وقت چلا گیا اور مجھے اس شغل نے یاد خداوندی سے غافل کر دیا۔ جو چیز محبوب کی یاد میں آڑے آئے اس کا اس دنیا سے نیست نابود کر دینا ضروری ہے۔)

گھوڑے اس دور میں جنگی قوت کا توازن۔ قوت مصادمہ کا کام دیتے تھے۔ دشمن پر یوں سمجھ لیجئے ان سے ٹینک اور جنگی جہاز کا سماں پیدا ہوتا تھا قرآن نے رباط الخیل سے اسے تعبیر کیا ہے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کے گوشہ دل میں وقت مباشرت یہ خیال آیا کہ میری ان یکصد (۱۰۰) بیویوں سے اگر سو مجاہد پیدا ہوں تو وہ جہاد کی کمان کریں گے۔ فرشتے نے انشاء اللہ کا الہام کیا۔ آپ بھول گئے۔ ایک بیوی سے ایک ناتمام بچہ پیدا ہوا۔ دایہ آئی اور آپ کے تخت پر وہ بچہ رکھ دیا۔ پھر ان کو تنبہ ہوا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر سلیمان علیہ السلام انشاء اللہ کہنا نہ بھولتے تو ہر ایک بیوی کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوتا اور سب خدا کی راہ میں جہاد کرتے۔ گھوڑے نہ رہے اور سواریوں کے متعلق تمنا پوری نہ ہوئی۔ بایں ہمہ خاص لوگ اپنے رب سے ناامید نہیں ہوتے۔ بصد بعجزو نیاز گویا ہوئے:

"رب اغفرلی وهب لی ملکالا ینبغی لاحدمن بعدی . انک انت الوهاب"(۵۱)

(میرے رب! مجھے معاف کردیجئے اور ایسا ملک عطا کردیجئے جو میرے بعد کسی کے شایان نہ ہو تو بغیر معاوضہ عطا کرنے والا ہے۔)

آواز آئی تو نے میری راہ میں زمین پر چلنے والی سواری (گھوڑے) قربان کردی ہے۔ ہم نے اس کے بدلے فضاء آسمانی میں اڑانے والی ہوا مسخر کرکے تیری ماتحتی میں دے دی۔ جو تیرے حکم کی پابندی کرے گی۔ تسخیر اور ہوا ہماری ہے اور فائدہ آپ کا ہے۔

"فسخرناله الریح تجری بامره رخاء حیث اصاب "

(سلیمان کی نفع رسانی کیلئے ہم نے ہوا کو مسخر کرکے ماتحتی میں دے دیا جو اس کے حکم سے راستہ پر چلتی تھی۔ جہاں کہیں وہ پہنچنے کا ارادہ کرتے تھے")

سلیمان علیہ السلام کی تمنائے اولاد کے مقصد کی تکمیل کیلئے فوج ظفر موج بڑے دیو اور طاقتور جنات کو آپ کی ماتحتی میں دے دیا:

"والشیاطین کل بناء وغواص . وآخرین مقرنین فی الاصفاد"(۵۲)

(دیگر وہ شیاطین جو ہر طرح کی عمارات کیلئے تیار اور سمندر میں غوطہ زن اور دوسرے زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔

ایسی فوج جو حملہ آور ہو اور نظر نہ آئے۔ اور ایسی بمبارمنٹ کرے جس کا نشانہ خطا نہ ہو۔

دعوت اور ارشاد میں رقت آموز پند و نصائح۔ انعامات باری تعالیٰ۔ دلائل عقلیہ اور نقلیہ۔ تذکیر بایام اللہ یعنی گزشتہ زمانہ میں اقوام عالم کی ہلاکتیں اور نجات اور دین میں عروج وزوال کے عبرت ناک واقعات کا ذکر یہ قدر مشترک تمام انبیاء علیہم السلام میں ہوتا ہے

## ۲۔ ملکہ سبا کو دعوت اسلام

سیدنا سلیمان علیہ السلام کا اسلوب دعوت کچھ مختلف ہے۔ اپنے نامہ مبارک میں دعوت اسلام کے ساتھ ملکہ سبا کو وارننگ دیتے ہیں:

"انه من سلیمان وانه بسم اللہالرحمن الرحیم. ان لا تعلوا علی واتئونی مسلمین"
(یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور اس کی ابتداء بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہے۔ مجھ پر سرکشی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس حاضری دو۔
اس دعوت کے جواب میں وہ کچھ ہدیئے ارسال کرتی ہے۔ تاکہ بات ٹل جائے۔ جب قاصد دربار سلیمانی میں پہنچتا ہے تو بڑی بے نیازی سے اس کی پیشکش کو ٹھکرادیتے ہیں اور فرماتے ہیں:
"فمااتانی اللہ خیر مما اتکم بل انتم بهدیتکم تفرحون"
(اللہ تعالی نے جو مجھے دیا ہے اس سے کہیں بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے۔ تم تو اپنے ہدیہ پر خوش ہو رہے ہو)
اور ملکہ کے قاصد کو اس دھمکی کے ساتھ واپس کرتے ہیں:
"فلناتینهم بجنود لا قبل لهم بها ولنخرجنهم منها اذلة وهم صاغرون"
(ہم ان پر ایسا لشکر مسلط کریں گے جس کا ان سے مقابلہ نہ ہوسکے گا۔ اوز ہم ان کو وہاں سے خواری اور کمزوری کے ساتھ نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہونگے۔)
۵۔ملکہ سبا کی آمد میں کچھ تاخیر ہوتی ہے اور ادھر سیدنا سلیمان علیہ السلام کے جمال میں جلال کی آمیزش ہوتی ہے۔ جو وادی کی چیونٹی کی بات پر تبسم کناں اللہ تعالی کی نعمتوں کے خیال سے سرشار نظر آتے ہیں۔ بیک لحہ ملکہ سبا کے تخت لانے کی فرمائش کرتے ہیں:
"ایکم یاتینی بعرشهاقبل ان یاتونی مسلمین"
(کون میرے پاس اس کا تخت لائے گا ان کے میرے پاس مسلمان ہو کر آنے سے پہلے)
آخر الامر وہ ہوا جو سب کو معلوم ہے۔ آنکھ کھولی تو سامنے تخت تھا۔ فرمایا:
هذا من فضل ربی لیبلونی أاشکر ام اکفر"
(یہ میرے رب کا فضل ہے۔وہ مجھے آزمارہا ہے"میں شکر کرتا ہوں یا کفر)
ملکہ سبا اپنے ملکی حزم واحتشام کے ساتھ اپنی ذہانت اور انتظامی صلاحیت میں معروف تھی۔ اللہ تعالی نے سورہ سبا میں۔ سبا کے دواعلی باغوں کا کس قدر حسین پیرایہ میں ذکر کیا ہے:
"جنتین عن یمین وشمال. کلوا من رزق ربکم واشکرواله. بلدة طیبة ورب غفور"
(سبا شہر کے دائیں اور بائیں دو باغ تھے۔ اپنے رب کی پاکیزہ روزی کھاؤ۔ اوراس کا شکر کرو۔ پاکیزہ شہر اور رب درگزر کرنے والا ہے)

اہل تفسیر نے لکھا ہے۔ رود کوہی کے ندی اور نالوں کے پانی کو جمع کرکے بصورت ڈیم اور پھر اس کے پانی کو تقسیم کرکے بنجر اراضی کو آباد کرنے کی سب سے پہلی اسکیم ملکۂ سبا کی ایجاد کردہ ہے اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پیام سے وہ سمجھ گئی تھیں۔ کہ مادی اعتبار سے اپنے سے بڑی قوت سے ٹکر لینا۔ اپنے ملک کی تباہی اور بربادی کا موجب ہے:

"قالت ان الملوک اذا دخلواقریة افسدوھا وجعلوا اعزة اھلھا اذلة. وکذلک یفعلون"(۵۸)

(بادشاہ جب کسی بستی اور آبادی میں داخل ہوں اسے تباہ کردیتے ہیں۔وہاں کے طاقتور لوگوں کو کمزور اور ذلیل کردیتے ہیں۔ اور اسی طرح کیا کرتے ہیں)

۶۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے۔ بزعم خویش ملکہ کی دانشمندی کا دیو نکال باہر کریں۔ جس کی بنا پر وہ اپنی نارسا عقل کو صحیح سمجھتی ہے اور آفتاب کی پرستش کرتی ہے۔

اس کا یہ بھوت نکل گیا تو بطیب خاطر وہ اللہ تعالی کی وحدانیت کو قبول کرلے گی۔

اس کے آتے ہی ان کے تخت کا حلیہ بدل دیا: قال نکروا لھا عرشھا" (سلیمان نے کہا اس کے تخت کو کچھ اور سا بنا ڈالو)

اس سے دریافت کرنے پر وہ بولی: کانہ ھو" (گویا یہ وہی ہے) تھوڑا سا پہچان گئی زیادہ نہ بھولی۔ پھر اس کا سائنسی امتحان لیا گیا۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام ایک محل میں تشریف فرما ہوئے اور اس سے داخل ہونے کو کہا۔ اس نے خیال کیا کہ آپ کے سامنے گہرا پانی ہے۔ پنڈلیوں سے کپڑا اٹھانے کی سوچی ۔ تو سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اسے سمجھایا:

انہ صرح ممرد من قواریر" (یہ محل شیشوں سے جڑا ہوا ہے)

اس پر اس کی صحیح فطرت بیدار ہوئی اور پکار اٹھی:

"رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمان للہ رب العالمین"

(میرے پروردگار! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین پر ایمان لائی ہوں)

سیدنا سلیمان علیہ السلام کے اس عظیم تذکرے میں اس امر کا داعیہ ملتا ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے شوق جہاد نے اور اللہ تعالی کے ذکر اور فکر نے ان کو فرش سے عرش تک پہنچا دیا تھا۔ اہل اسلام اس درس جہاد کو نہ بھول جائیں۔ اپنی ساری علمی۔ فکری اور عملی صلاحتیوں کو دعوت کی کامیابی پر صرف کردیں۔ تدبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیں تو وہ اپنی اس ناقابل تسخیر قوت سے دنیا کو فتح کرلیں گے۔

# ۷- سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ اور ایک عظیم فیصلہ

"وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم وکنا لحکمهم شاهدین. ففهمنا ها سلیمان وکلااتینا حکما وعلما ، وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والطیر ، وکنا فاعلین

(داؤد و سلیمان کا واقعہ جب کہ وہ ایک کھیتی کے معاملے کا فیصلہ کر رہے تھے۔ جس کو ایک فریق کی بکریوں کے ریوڑ نے خراب کر ڈالا تھا۔ اور ہم ان کے فیصلے کے وقت (اپنے محیط علم کے اعتبار سے) موجود تھے۔ پھر ہم نے اس کے بہترین فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو عطا کی اور داؤد و سلیمان کو ہم نے علم و حکم عطا کئے)

"سیدنا داؤد علیہ السلام نے اپنے علم و حکمت کے پیش نظر یہ فیصلہ دیا کہ مدعی کی کھیتی کا نقصان چونکہ مدعی علیہ کے گلہ کی قیمت کے قریب قریب متوازن ہے۔ لہذا یہ پورا گلہ مدعی کو تاوان میں دے دیا جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر ابھی گیارہ سال کی تھی۔ وہ والد ماجد کے نزدیک بیٹھے تھے۔ کہنے لگے اگرچہ آپکا یہ فیصلہ صحیح ہے۔ مگر اس سے بھی مناسب شکل یہ ہے کہ مدعی علیہ کا تمام ریوڑ مدعی کے سپرد کیا جائے کہ وہ اس کے دودھ اور اس کی اون سے فائدہ اٹھائے اور مدعی علیہ سے کہا جائے کہ وہ اس مدت میں مدعی کے کھیت کی خدمت انجام دے اور جب کھیت کی پیداوار اپنی اصلی حالت میں واپس آجائے تو کھیت مدعی کے سپرد کردے اور اپنا ریوڑ واپس لے لے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو بیٹے کا یہ فیصلہ بہت پسند آیا۔

فقہی اصطلاح میں حضرت داؤد کے فیصلہ کو "قیاسی" کہیں گے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو "استحسانی" (۵۳)

امام محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے کہ "سلیمان علیہ السلام نے داؤد علیہ السلام سے کہا۔ مالک کو کھیت کی ہر سال کی پیداوار کا علم ہوتا ہے بطور بیع کے ریوڑ کے بچے، اون، اور بدن کے بال لے لے۔ کیونکہ ریوڑ کی نسل بھی (کھیت کی طرح) ہر سال چلتی ہے۔ داؤد علیہ السلام نے کہا:

"القضاء کما قضیت" (جو فیصلہ آپ نے دیا ہے دراصل وہی فیصلہ ہے)(۵۴)

سیدنا داؤد علیہ السلام نے وقتی نقصان کی قیمت لگا کر ریوڑ والوں کا ریوڑ کھیت والوں کو دے دیا۔ فیصلہ

وہ اچھا ہوتا ہے جس میں فریقین کی بھلائی کا خیال رکھا جائے۔ خصوصاً بلا قصد جو نقصان ہو جائے اس کے تاوان میں اعتدال سے کام لیا جائے۔ پھر اس تاوان میں خیال رکھا جائے۔ کہیں کسی فریق کے ذریعہ معاش پر توزد نہیں پڑتی۔ ایسا تو نہیں کہ وہ اس تاوان کے زیر بار ہو کر ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں۔ یہی حال بیچارے ریوڑ والوں کا تھا۔ ان کے ہاں اس ریوڑ کے علاوہ اور کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالی جل وعلی شانہ نے بروقت سیدنا سلیمان علیہ السلام کی تفہیم کی جس میں فریقین کا فائدہ مضمر تھا۔ دونوں کے حق میں یہ فیصلہ باعث راحت و تسکین بن گیا۔ وہکذا اینبغی)

## سیدنا ایوب علیہ السلام

سیدنا ایوب علیہ السلام کے ابتلاء اور ان کی آزمائش کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ خاندان کی تباہی اور آپ کی طویل المیعاد بیماری پر سب رشتہ دار اور دوست آپ کو چھوڑ گئے۔ ایک وفادار بیوی تھی جو ان نامساعد حالات کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اس پریشانی میں غمگسار۔ ایک روز شیطان بڑی اچھی شکل میں اس کے سامنے آیا اور کہا۔ اگر آپ کا خاوند اپنے منہ سے صرف ایک کلمہ کہہ دے (شیطان کے نام سے شفا طلب کرے) اس سے ہر تکلیف دور ہو سکتی ہے۔ بیوی نے آکر آپ کو اس واقعہ سے مطلع کیا آپ نے غصہ میں کہا:

"ان عافانی الله من مرضی هذا لاجلدنک ماة"

(اگر اللہ تعالی نے مجھے اس مرض سے شفا دی تو میں تجھے سو (۱۰۰) کوڑے ماروں گا)

اس پر اللہ تعالی نے فرمایا:

"وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث انا وجدناه صابرا. نعم العبد انه اواب" (۵۵)

(اپنے ہاتھ میں سو (۱۰۰) تنکوں کا مٹھا لے اور اس سے مار اور اپنی قسم میں جھوٹا نہ ہو۔ بیشک ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا ہے۔ اور وہ اچھا بندہ اور بے شبہ وہ خدا کی جانب بہت رجوع کرنے والا ہے۔

ایوب علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ نے ایوب علیہ السلام کے زمانہ مصیبت میں جس حسن وفا۔ اطاعت۔ ہمدردی اور غمخواری کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالی نے اس کے احترام میں ایوب علیہ السلام کی قسم کو ان کے حق میں پورا کرنے کیلئے عام احکام قسم سے جدا ایک ایسا حکم دیا جس سے اللہ تعالی کے یہاں اس نیک بی بی کی قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ (۵۶)

سیدنا ایوب علیہ السلام کی بیوی کے حق میں اس قدر رعایت کہ پیغمبر کی قسم بھی پوری ہوجائے اور اللہ تعالی کے نام کی عزت اور حرمت کو بجا لاتے ہوئے وہ عہدہ برآ ہوں اور آپ کی بیوی کو گزند نہ پہنچے۔ یہ خاص حکم دیگر عمومی احکام جیسا نہیں ہے۔ یہ خاص حکم خود نص (قانون سازاداروں) سے ثابت ہوا ہے۔ کسی قیاس اور اجتہاد پر مبنی نہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنگامی حالات میں عمومی احکام سے ہٹ کر کسی خاص حکم پر عمل کرنا۔ اصل آئین میں داخل ہے۔ کوئی دیگر چیز نہیں ہے۔ اسے خلاف قانون نہیں کہا جاسکتا۔ ایسے نازک مسائل میں اللہ تعالی کی منشاء اور اس کا حکم معلوم کرنا وحی اور الہام سے معلوم ہوسکتا ہے۔ یا پھر مجتہد کے اجتہاد سے ہر کس وناکس ان میں رائے دینے کا مجاز نہیں ہے)امام شمس الائمہ السرخسی تحریر فرماتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ سے منقول احکام میں حیلوں (شرعی تدابیر) کو جمہور علماء نے جائز کہا ہے۔ بعض ظاہر بین(مصنفین) لوگوں نے اپنے جہل اور کتاب وسنت میں عدم تامل کی بنا پر انہیں مکروہ کہا ہے۔اس کا جواز کتاب سے ماخوذ ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث"

(اپنے ہاتھ میں سو(۱۰۰) تنکوں کا مٹھا لے اور اس سے مار اور اپنی قسم میں جھوٹا نہ ہو۔)

اس میں ایوب علیہ السلام کو اپنی قسم پوری کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ قسم یہ تھی۔

(والله) ليضربن زوجته مأة" (اللہ کی قسم میں اپنی بیوی کو سو(۱۰۰)کوڑے ماروں گا)(۵۷)

کتاب الحیل میں امام شمس الائمہ السرخسی نے حیلے کے مسئلہ کو یوں سمجھایا ہے:

"فمن كره الحيل فى الاحكام فانما يكره فى الحقيقة احكام الشرع وانما يقع مثل هذه الاشياء من قلة التامل فالحاصل ان مايتخلص به الرجل من الحرام ويتوصل به الى الحلال من الحيل فهو حسن وانما يكره ذلك ان يحتال فى حق الرجل حتى يبطله اوفى باطل حتى يموهه اوفى حق حتى يدخل فيه شبهة فماكان على هذاالسبيل الذى قلنا اولا فلاباس به لان الله تعالى قال وتعاونوا على البروالتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان ففى النوع الاول معنى التعاون على البروالتقوى وفى النوع الثانى معنى التعاون على الاثم والعدوان"(۵۸)

(جن لوگوں نے احکام میں حیلوں کو مکروہ کہا وہ حقیقت میں شرعی احکام کو مکروہ کہتے ہیں۔ قلت تامل کے نتیجہ میں یہ سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔ القصہ جو شخص حرام سے خلاصی چاہتا ہے اور حیلے کے ذریعے حلال تک اسے رسائی مطلوب ہے یہ اچھا ہے۔ مکروہ حیلہ یہ ہے کہ حیلہ کرکے کسی کا حق مٹادے۔ یا باطل کو ملمع کرکے سچ کردکھائے۔ یا اعتقادی عملی اور مالی حقوق میں عوام میں شک وشبہ پیدا کرے (کسی کو کچھ سمجھ نہ آئے) حیلے کی پہلی صورت "وتعاونوا علی البر والتقوی" میں داخل ہے۔ اور دوسری صورت "ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان" کی مد میں آتی ہے۔

# دورِ خلافت میں پیش آمدہ ہنگامی وقائع

خلافت راشدہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کے دور میں جو وقائع پیش آئے ان کا استقصاء اور احاطہ بہت مشکل ہے۔ مختصراً ان کی چند اہم امثلہ اور نظائر پیش خدمت ہیں جن سے ضرورت کی کلیات اور اس کے دائرہ اختیار اور ان کی وجوہ اور علل کو سمجھا جاسکتا ہے۔

## ۱۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کا اعلان

"حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا مسئلہ ہنگامی تھا۔ کوئی شخص اس سے دھوکہ میں نہ پڑے"۔

حضرت عمرؓ نے اپنے آخری حج سے واپسی پر آخر ذی الحجہ میں جو ایک طویل خصوصی خطبہ دیا اس کے آخر میں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"ثم انه بلغنی ان قائلامنکم یقول والله لومات عمر لبایعت فلا ناً فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعته ابی بکرفلتة فتمت الاوانها قد کانت کذلک ولکن اللّٰهوقی شرهاولیس فیکم من تقطع الاعناق الیه مثل ابی بکر فمن بایع رجلا من غیرمشورة من المسلمین فلایبایع هو ولا الذی بایعه تغرة ان یقتلا(منهاج السنه،ج:۳،ص:۱۱۹)

("مجھے معلوم ہوا ہے تم میں سے ایک شخص کا کہنا یہ ہے کہ عمرؓ مرجائے تو میں فلاں کی بیعت کرلوں گا۔ کسی شخص کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ ابوبکرؓ کی بیعت کا قصہ اچانک پیش آیا اور وہ پوری ہوگئی اور بس فرمایا واقعی وہ بیعت ایسی ہی تھی یعنی ہنگامی لیکن اللہ تعالی نے اس میں جس شر کا اندیشہ تھا اس سے بچالیا تم میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے۔ ابوبکرؓ کی مانند جس کے خلاف مقابلہ میں گردنیں قطع کی جائیں جو شخص بغیر

مشورے کے کسی سے بیعت کریگا اس کی متابعت کی جائے اور نہ اس کی جس نے بیعت کی ہے۔
مبادا کہ وہ دونوں قتل کیے جائیں۔ حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فلتۃ کے معنی میں فرماتے ہیں:
"فلتۃ بفتح فاء وسکون لام امریکہ بدون فکر وتدبیر دفعۃ نمودہ شود یعنی بیعت صدیق ناگاہ نگاہ بود بدون تامل کہ عمر فاروق وتابعین او انتظار ہمہ اصحاب نکشیدند ومبادرت بہ بیعت نمودند (۵۹)
(فلتہ فا کے فتح اور سکون لام سے پڑھا جاتا ہے وہ معاملہ جو زیادہ سوچ بچار اور غور وفکر کے بغیر دفعۃً پیش آجائے صدیق اکبرؓ کی بیعت خلافت ناگاہ اور بغیر تامل کے پیش آگئی۔ عمر فاروقؓ اور آپ کے پیرو کاروں نے آپ کی بیعت میں جلدی کی اور دوسرے اصحاب کا انتظار نہ کیا"
فکر اور تدبیر کے بغیر دفعۃً کوئی کام کرلینا اروا س میں جلدی کرنی اور زیادہ انتظار نہ کرنا اس کو کہتے ہیں نفاذ شریعت کی ہنگامی حالت۔
یہ ہنگامی حالت کیسے پیش آئی؟ اور اس میں امت کی بہتری کیا تھی؟ حضرت عمرؓ کے ایک طویل بیان سے مختصر اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔
"انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے علیؓ اور زبیرؓ ایک اور جگہ مصروف گفتگو تھے۔ مہاجرین ابوبکرؓ کے پاس گئے ہم نے ابوبکرؓ سے کہا "انصاریوں کے پاس چلنا چاہیے" چنانچہ وہاں پہنچ گئے۔ اتنے میں ان کا یک خطیب اٹھا اور اس نے ایک پرزور تقریر کی اور کہا "ہم اللہ کے انصار، اسلام کے عسکر اور سپاہی ہیں۔ اے مہاجرین آپ ایک گروپ اور جتھہ ہیں آپ کے لوگوں کا ارادہ ہے کہ ہم انصاریوں کو جڑسے اکھاڑ پھینکیں اور خلافت سے ہمیں علیحدہ رکھیں "میرا ارادہ ہوا کہ جواباً کچھ کہوں اور اپنے دل میں ایک مقالہ تیار کر رکھا تھا جو مجھے بہت اچھا لگا۔ خیال ہوا کہ ابوبکرؓ کے ہوتے ہوئے اسے پیش کروں میں اس مقالہ کے بعض حصے ابوبکرؓ کے سامنے نہیں لانا چاہتا تھا۔ میں نے جب ارادہ کیا ابوبکرؓ نے مجھے کہا آرام سے بیٹھو میں نے ان کو ناراض کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ابوبکرؓ مجھ سے زیادہ بردبار اور باوقار شخص تھے بخدا وہ ساری باتیں فی البدیہ کہ دیں جو میں نے تکلف سے سوچ رکھی تھیں یا ان باتوں سے بہتر۔ ازیں بعد انصار سے مخاطب ہوئے" آپ نے اپنے متعلق جو کہا ہے مسلم ہے لیکن امر خلافت قبیلہ قریش کیلئے مسلم ہے۔ حسب ونسب اور وطن کے اعتبار سے وہ اصل عرب ہیں اور میں آپ لوگوں سے ان دو اشخاص پر راضی ہوں جس کی چاہیں بیعت کرلیں۔ اس پر ایک ہاتھ میرا پکڑلیا اور دوسری طرف ابوعبیدہ بن الجراحؓ کا جو ہمارے سامنے بیٹھے تھے مجھے ابوبکرؓ کی تقریر میں صرف یہ آخری بات ناگوار معلوم ہوئی:
"واللّٰہ ان اقدم فتضرب عنقی لا یقر بنی ذلک من اثم احب الی من ان اتامر علی قوم فیھم ابوبکر اللھم الا ان تسول لی نفسی عندالموت شیئاً لا اجدہ الان(منہاج

السنہ،ج۳،ص:۱۱۹)

(اللہ کی قسم مجھے گرفتار کرکے میری گردن اڑائی جائے جبکہ گناہ کے باعث نہ ہو مجھے اچھا لگتا ہے اور یہ پسند نہیں کہ میں ایسی قوم پر امارت کروں جس میں ابو بکرؓ ہوں۔ اے اللہ شاید کہ موت کے وقت میرا نفس کوئی اور تقاضا کرے جو اس وقت مجھے معلوم نہیں ہے)۔

اتنے میں ایک انصاری بولے"

"اناجذیلهاالمحکک عذیقهاالمرجب مناامیرومنکم یاامیرمعشر"قریش فکثر اللغط وارتفعت الاصوات"(منهاج السنه،ج:۳،ص:۱۱۹)

"خاندان قریش سنو! میں اس لکڑی کا تنا ہوں جس سے اونٹ کھجلی کیا کرتے ہیں اور ایسا مضبوط درخت ہوں جو قابل تعظیم ہے۔ ایک امیر ہماری جانب سے ہو اور ایک امیر تمہاری جانب سے۔ اس پر شور برپا ہوا اور آوازیں اٹھ گئیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں مجھے اندیشہ ہوا کہ اس نازک گھڑی میں اگر کوئی ہنگامی اقدام نہ کیا گیا تو اس کا نتیجہ اس امت کے حق میں بہت برا ہوگا۔

"حتی فرقت من الاختلاف فقلت ابسط یدک یا ابابکر فبسط یده فبایعته فبایعه المهاجرون ثم بایعته الانصار ونزونا علی سعد بن عبادة فقال قائل منهم قتلتم سعد بن عبادة قلت قتل الله سعد بن عبادة قال عمر وانا والله ماوجدنا فیماحضرنا من امراقوی من مبایعة ابی بکر خشینا ان فارقنا القوم ولم تکن بیعةان یبایعوا رجلا منهم بعدنا فاما با یعنا هم علی مالا ترضی واماان نخالفهم فیکون فساد"

(حتی کہ میں اس اختلاف کے باعث ڈر گیا اور کہا ابو بکرؓ اپنا ہاتھ پھیلائیے میں نے بیعت کرلی اس پر مہاجرین نے بیعت کرلی اور پھر انصار نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عمرؓ کہتے ہیں واللہ اس حال میں ہم کو ابو بکر کی بیعت سے دیگر کسی بات میں قوت معلوم نہیں ہوئی اس بات کا اندیشہ لاحق ہوا" ہم اس حال میں اگر قوم کو چھوڑ کر چلے گئے اور بیعت نہ ہوئی۔ یہ لوگ بعد میں کسی اور سے بیعت کرلیں گے۔ پھر ہم اپنی خلاف مرضی ان سے بیعت کریں گے۔ یا ان کی مخالفت کریں گے اور فساد برپا ہوگا"

مذکورہ بالا تحریر سے صراحتاً ثابت ہے کہ چند ارباب بصیرت اور مقتدر اہل اسلام فساد سے بچنے کیلئے اور امت کی مصلحت کے پیش نظر کوئی ایسا ہنگامی فیصلہ کریں تو وہ منشاء خداوندی کے مطابق ہوگا۔ اس فیصلے کے بعد رائی عامہ کا اتفاق اجماع کہلاتا ہے جو حجت کامل کا درجہ رکھتا ہے۔

# عہد صدیقی کا پہلا کارنامہ

**فماذا یصنع ابوبکررضی اللّٰہعنہ (آخرابوبکر کیا کرتے)**

ہنگامی حالات: لوگ اسامہ بن زیدؓ کے امیر بنائے جانے پر معترض ہیں وہ صغیر سن ہیں عرب میں ارتداد پھیل چکا ہے وہ شام میں فوج بھیجنے کے خلاف ہیں اہل اسلام تعداد میں کم ہیں۔ مرکز اسلام (مدینہ) پر دباؤ ہے اور ادھر رسول اللہ ﷺ نے غزوہ موتہ میں شہداء زید بن حارثہ وغیرہ کے قصاص کیلئے جیش اسامہ (وہ جیش جس میں اسامہ امیر ہوں) بھیجنے کی سخت تاکید فرمائی ہے اور اپنی مرض الوفات میں تھوڑی سی تخفیف پاکر سر پر پٹی باندھ کر باہر مجمع میں تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

"یاایهالناس انفذوا جیش اسامة" ثلاث مرات وقال" ان تطعنوا فی امارته فقد کنتم تطعنون فی امارة ابیه من قبله وایم الله انه کان خلیقا للامارة، وایم الله انه لمن احب الناس الی بعده"(بخاری، ج: ۲ ،ص: ٦٤١)ایضاً ٦١٠)

"اے لوگو! اسامہ کا لشکر بھیج دو" تین بار فرمایا "اگر تم اس کی امارۃ میں طعن کرتے ہو اس سے قبل اس کے باپ کی امارۃ میں بھی طعن کیا تھا (اللہ کی قسم) وہ امارت (لشکر کی کمان کرنا) کا اہل تھا اور اللہ کی قسم یہ اسامہ مجھے اس کے باپ کے بعد سب سے زیادہ محبوب ہے"

اسامہ نے ابھی عمر کے بیس سال پورے نہیں کیے تھے اٹھارہ سال کی عمر تھی لوگ چہ مہ گوئیاں کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ابھی اسامہ کا لشکر بھیج نہ پائے تھے کہ وفات پاگئے۔ عرب کے بہت سے لوگ مرتد ہوگئے۔ نفاق ابھر کر سامنے آگیا۔ یہود و نصاریٰ کی عرب کی طرف غلط نگاہیں اٹھ گئیں۔ مسلمان پریشان تھے کہ وہ اس حال میں کیا کریں۔ وحی منقطع ہوگئی رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات جو ہر مشکل کا مداوا تھی ہم میں نہ رہی۔ ہماری تعداد دشمن کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ لوگوں نے ابوبکرؓ سے درخواست کی "اسامہ کا لشکر مسلمانوں کی ایک مختصر فوج ہے"۔ عرب ٹوٹ گئے مبادا کہ ان نازک حالات میں مسلمانوں کی جماعت بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دے۔

# حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کے وقت عہد کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریگا۔ اب وہ دباؤ میں آکر رسول اللہ ﷺ کے حکم کا خلاف کرے حاشا وکلا وہ کبھی ایسا نہیں کرسکتے۔ اس کی طبیعت اور عادت کے خلاف ہے۔ ایمانی قوت، پختہ یقین اور اپنی صداقت پر قائم رہتے

ہوئے ثابت قدم رہے۔ ہر مشکل سے مشکل حال میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کے عملاً نفاذ پر کار بندر ہے۔ آپ نے بڑی قوت سے پورے مجمع کو للکارا اور فرمایا:

"والذی نفس ابوبکر بیده لو ظننت ان السباع تخطفنی لانفدت بعث اسامة کما امربه رسول اللهصلی اللهعلیه وسلم . ولولم یبق فی القری غیری لانفذ ته"

(ذات باری کی قسم جس کے قبضۂ میں ابو بکرؓ کی جان ہے مجھے اگر یقین ہو کہ درندے مجھے نوچ ڈالیں گے تو میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسامہ کا لشکر بھیج دونگا اور اگر ان آبادیوں میں میرے سوا کوئی باقی نہ رہے تو جیش اسامہ کے بھیجنے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔)

امیر المؤمنینؓ کی خدمت میں حضرت عمرؓ آئے ان کو اسامہؓ بن زیدؓ اور انصار مدینہ نے اس فیصلہ پر نظر ثانی کیلئے بھیجا کہ اگر لشکر بھیجنا منظور ہے تو کسی کبیر السن کو امیر بنادیجئے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا:

"لو خطفتنی الکلاب والذئاب لم ارد قضاء قضی به رسول اللهصلی اللهعلیه وسلم"

(کتے اور بھیڑیئے اگر میرے جسم کو بوٹی بوٹی کردیں تو میں اس فیصلے کو رد نہیں کرسکتا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے)۔

حضرت عمرؓ سے بالخصوص مخاطب ہوئے:

"ثکلتک امک وعدمتک یا ابن الخطاب استعمله رسول اللهٔ وتامرنی ان انزعه"

(ابن الخطاب! تجھ پر تیری ماں نوحہ کرے اور تجھے گم پائے۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے امیر لشکر مقرر کیا ہے اور تو کہتا ہے کہ میں اسے ہٹادوں)

جیش اسامہ کی یہ ترسیل سیدنا امیر المؤمنین کی بیعت خلافت کے متصل دوسرے روز بدھ ۱۴۔ ربیع الاول کو پیش آتی ہے۔

لشکر کی مشایعت کرتے ہوئے امیر المؤمنین ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ کمانڈر سے درخواست کی:

"ان رایت ان تعینی بعمرفافعل"

(عمرؓ کے ذریعے اگر آپ کی رائے میں میری مدد کرنا درست ہے تو ایسا کرلیں)

یہ اس لئے فرمایا کہ اس لشکر کی فہرست میں حضرت عمرؓ کا نام شامل تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

"فلما جلس ابوبکر للخلافة انفذه مع ذلک الجیش غیرانه استاذنه فی ان یاذن لعمر بن الخطاب فی الاقامة لانه ذو رائی ناصح للاسلام واذن به وساراسامة لوجهه الذی

امر رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیہ وسلم فاصاب فی ذلک العدو مصیبة عظیمة وغنم ھو و اصحابه وقتل قاتل ابیه وردھم الله سالمین الی المدینة وانما انفذ جیش اسامة ابوبکر الصدیق بعد موت النبی صلی اللّٰہعلیہ وسلم اللّٰہوقال لااحل رایةعقدھا رسول صلی اللّٰہعلیہ وسلم واشار غیر واحد ان یردالجیش خوفا علیھم فانھم خافوا ان یطمع الناس فی الجیش بموت النبی صلی اللّٰہعلیہ وسلم فامتنع ابوبکر من رد الجیش وامر بانفاذہ فلماراھم الناس ان یغزون عقب موت النبی صلی اللّٰہعلیہ وسلم کان ذلک مما ایداللہ به الدین وشدبه قلوب المؤمنین واذل به الکفار والمنافقین وکان ذلک من کمال معرفة ابی بکرالصدیق وایمانه ویقینه وتدبیرہ رعایه(۶۰)

(جب ابوبکر صدیقؓ خلافت پر متمکن ہوئے اسامہؓ کو اسی لشکر کے ساتھ بھیج دیا البتہ ان سے عمر بن الخطاب کی مدینہ میں اقامت طلب کی کیونکہ وہ اسلام کے مخلص، صاحب رائے انسان تھے۔ اسامہؓ نے اجازت دے دی اور اس طرف چل پڑے جدھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا جنگ میں دشمن کو بڑی مصیبت سے دوچار کیا آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بہت سامال غنیمت ہاتھ لگا۔ اسامہؓ نے اپنے باپ کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچادیا ازیں بعد اللہ تعالی آپ کو صحیح سالم مدینہ منورہ واپس لایا۔

حضرت ابوبکرصدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد لشکر اسامہؓ کا اہتمام کیا اور کہا "جنگی جھنڈے کی جو گرہ رسول اللہ ﷺ نے لگائی ہے میں اسے نہیں کھولوں گا" بہت سے افراد نے آپ کو لشکر کی واپسی کا اشارہ دیا کہ لشکر کو خوفناک حالت درپیش ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موت کے بعد دنیائے کفر لشکر میں طمع کریگی ابوبکرؓ تھے جو لشکر کی واپسی سے باز رہے اور اسے بھیج دیا جب دنیا نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی یہ لوگ جنگ کر رہے ہیں وہ حیران رہ گئے۔ اس طرح اللہ تعالی نے دین کی تائید کی، مؤمنین کے قلوب مضبوط ہوگئے اور کفار ومنافقین ذلیل۔ یہ سب کچھ ابوبکرؓ کی معرفت ،ایمان کامل ویقین محکم، حسین تدبیر اور رائی کی بلندی پر مبنی ہے"

## عہد صدیقیؓ کا دوسرا بڑا کارنامہ: مرتدین عرب سے جنگ

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں پر ایک اور آفت ٹوٹ پڑی۔ عرب نے ارتداد اختیار کیا۔ حضرت ابوبکرؓ اسامہؓ کا لشکر روانہ کر چکے تھے۔ مدینہ پر حملے اور لوٹ مار کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ مسیلمہ کذاب اور طلیحہ مدعیان نبوت کا فتنہ بڑھ گیا اور امیرالمومنین کو یہ اطلاعات ملیں تو لشکر اسامہؓ کی واپسی سے قبل مدینہ پر حملہ روکنے کے انتظامات میں لگ گئے۔ قریش اور ثقیف کے علاوہ دیگر قبائل مرتد ہوگئے

لشکر کی آمد پر ان قبائل کے خلاف کبار صحابہؓ کی کمان میں مختلف جمعتین بھیجیں اس وقت امیر المومنین اور آپ کے کمانڈر جن کو مرتدین کے کچلنے اور زیر کرنے کی غرض سے آپ بھیج رہے تھے۔ بڑی سخت الجھن میں تھے اندریں حال مدینہ میں تھوڑی سی قوت بچ گئی۔ عمرؓ بن الخطاب، علیؓ بن ابی طالب اور زبیرؓ بن العوام کو اپنے پاس رکھا۔ ان کی حربی مہارت کے علاوہ ان کی رائے اور مشورے کی بھی ضرورت تھی۔ اس ہنگامی صورت حال میں ایک اہم مسئلہ بھی زیر بحث آیا جس کا قصہ سیر اور احادیث میں مذکور ہے۔

لوگوں نے زکواۃ دینے سے انکار کردیا کہ ہم خلیفہ کو زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔ سیدنا امیر المومنین ابوبکرؓ نے ان کے خلاف قتال کا اعلان کیا۔ حضرت عمرؓ مزاحم ہوئے اور کہا:

"کیف تقاتل الناس وقدقال النبی صلی اللہعلیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لاالہ الا اللہ فمن قال لا الہ الا اللہ عصم منی مالہ ونفسہ الابحقہ وحسابہ علی اللہ"

(آپ ان سے کیسے قتال کرسکتے ہیں جب کہ نبی ﷺ کا حکم ہے میں مامور ہوں کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ لاالہ الااللہ کا اقرار کرلیں جو لاالہ الااللہ کا اقرار کرلے گا اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان بچالی اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے)

امیر المومنین نے کہا:

"واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال واللہ لو منعونی عناقالقاتلتھم علی منعھا"

(اللہ کی قسم جو نماز اور زکواۃ میں فرق کرے گا میں اس سے قتال کروں گا۔ زکواۃ مال کا حق ہے اگر مجھ سے ایک بکری کا بچہ بھی روک لیں گے تو میں اس کے روکنے پر بھی قتال کروں گا)

"قال عمر" واللہ ما ھوالا ان رایت ان قد شرح اللہ صدر ابی بکر للقتال فعرفت انہ الحق"

(اس مکالمہ کے بعد میں نے دیکھا اللہ تعالی نے ابوبکر کا شرح صدر فرمادیا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ حق ہے)

## عہد صدیقی کا تیسرا بڑا کارنامہ۔ جمع قرآن کا حکم دینا

حضرت عمرؓ نے امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں قرآن مجید جمع کرنے کی درخواست کی۔ بڑی بحث و تمحیص کے بعد آپ نے زیدؓ بن ثابت انصاری کو اس کام کا حکم دیا۔ بخاری میں ہے:

"ان زيد بن ثابت قال ارسل الى ابوبكر بعدمقتل اهل اليمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابوبكر ان عمر اتانى فقال ان القتل قد استحريوم اليمامة بقراء القرآن وانى اخشى ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فيذهب كثر من القرآن وانى ارى ان تامربجمع القرآن قلت لعمر كيف تفعل شيئاً لم يفعله رسول اللهصلى اللهعليه وسلم قال عمر هذا والله خيرفلم يزل عمر يراجعنى حتى شرح الله صدرى لذلک ورايت فى ذلک الذى راى عمر قال زيد قال ابوبکر انک رجل شاب عاقل لانتهمک وقدکنت تکتب الوحى لرسول اللهصلى اللهعليه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه فوالله لو كلفونى نقل جبل من الجبال ماكان اثقل على لماامرنى به من جمع القرآن قلت كيف تفعلون شيئاً لم يفعله رسول اللهصلى اللهعليه وسلم قال هو واللهخيرفلم يزل ابوبكر يراجعنى حتى شرح الله صدرى الذى شرح له صدر ابى بكر وعمر فتتبعت القرآن اجمعه من العسب واللخاف وصدورالرجال حتى وجدت آخر سورة من التوبه مع ابى خزيمة الانصارى لم اجدها مع احد غيره لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيزعليه ما عنتم حتى خاتمة براءة فكانت الصحف عند ابى بكر حتى توفاه الله ثم عند عمر حياته تم عند حفصة بنت، عمر(٦١)

(زید بن ثابت کہتے ہیں "ابو بکر نے جنگ یمامہ کے بعد میرے پاس پیغام بھیجا عمر بن الخطاب بھی وہاں بیٹھے تھے ابو بکرؓ نے کہا عمرؓ میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ میں کافی قراء کام آئے ہیں۔ قراء کے حق میں جنگ کا معاملہ اسی طرح گرم رہا تو مجھے خوف ہے کہ قرآن کا کافی حصہ چلا جائے گا" میری رائی ہے" آپ قرآن جمع کرنے کا حکم صادر کریں۔ میں نے عمر سے کہا تو نے ایسے کام کرنے کا ارادہ کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔ عمر نے کہا واللہ خیر ہے۔ اللہ کی قسم یہ بہتر ہے عمر مجھے اس بارے میں بار بار توجہ دلاتے رہے تا آنکہ اللہ تعالی نے میرا شرح صدر فرمایا۔ اب میری رائے وہی ہے جو عمرؓ کی رائے ہے۔ ابو بکرؓ نے مجھے کہا تو ایک عاقل جوان ہے ہمیں آپ پر کسی قسم کا غلط گمان نہیں ہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے کاتب الوحی تھے۔ قرآن کا تتبع کرو اور اسے جمع کرنے کی کوشش کرو۔ زیدؓ کہتے ہیں "اللہ کی قسم اگر وہ مجھے پہاڑوں میں سے، کسی ایک پہاڑ کی نقل مکانی کا حکم دیتے وہ مجھ پر اتنا دشوار نہ ہوتا جتنا کہ قرآن کا جمع کرنا" میں نے کہا" آپ نے کیسے اس کام کا تہیہ کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا" ابو بکر نے کہا" بخدا یہ بہتر ہے" وہ مجھے بار بار اس کام کے لئے تیار کرتے رہے

تاآنکہ اللہ تعالی نے میرا شرح صدر بھی اس کام پر فرمادیا جس پر ابو بکرؓ و عمرؓ کا شرح صدر فرمایا دیا تھا- میں نے قرآن کا تتبع کر کے اسے کھجور کی چھڑیوں، سفید پتھر کی سلیٹوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کیا حتی کہ میں نے سورہ براۃ کا آخر ابو خزیمہؓ انصاری کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ پایا" لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم تا آخر سورۃ" براۃ" تو یہ نسخے ابو بکر کے پاس تھے حتی کہ اللہ تعالی کو پیارے ہو گئے۔ پھر عمر کی زندگی میں عمر کے پاس رہے، پھر ان کی بیٹی حفصہؓ کے پاس۔

اس روایت میں امیر المؤمنین ابو بکرؓ کا حضرت عمرؓ کو یہ کہنا:

"کیف تفعل شیئاً لم یفعلہ رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیہ وسلم"

(آپ وہ کیسے کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا"

اسی طرح زید بن ثابت کا شیخین مکرمین کو یہ کہنا:

"کیف تفعلون شیئاً لم یفعلہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہعلیہ وسلم"

(آپ وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا)

یہ فرمودات اس امر کے ہنگامی ہونے کو واضح طور پر بتلا رہے ہیں۔ یہ ایک کام تھا جو بزرگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا جس کے کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ بقول حضرت زیدؓ "میرے لئے ایک پہاڑ کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا اس کام سے آسان تھا" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کام بہت زیادہ مشکل تھا۔ ادھر حضرت عمرؓ تھے جن کو اس امر کا احساس ستائے ہوئے تھا اور بار بار اصرار کر رہے تھے" واللہ ھذا خیر" اللہ کی قسم یہ کام بہتر ہے جس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ضرورت کا ثبوت نص سے نہیں ملتا بلکہ زمانہ سابق میں باوجود طلب وحاجت اور افادیت کے اس کا نہ پایا جانا بھی اس کی نفی کرتا ہے لیکن ضرورت اپنے مقام میں ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا تقاضا کچھ اور ہوتا ہے جو کہ درجہ وجوب سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ اس کا ادراک کئی آراء کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس ضرورت کو اپنے موقع اور محل میں سمجھا جاسکتا ہے۔ اور اس سے قبل اس کا تصور کرنا بھی غلط ہوتا ہے۔

# حواشی ومراجع


۱. البقرہ، رکوع:۳۲

۲. البقرہ، رکوع:۳۲

۳. النساء رکوع:۱۱

۴. الانفال رکوع:۲

۵. البقرہ، رکوع:۳۳

٦. الشوری رکوع:۴

۷. مشکواۃ ،ج:۱ ،ص:۲۲ ، باب الایمان بالقدر، المعجم الکبیر للطبرانی ،ج:۱۷ ،ص:۴۳، مکتبہ ابن تیمیہ القاہرہ، المستدرک للحاکم کتاب التفسیر،ج:۲ ،ص:۵۲۵ ،دارالمعرفۃ بیروت لبنان۔

۸. البقرہ، رکوع:۴

۹. البقرہ، رکوع:۴

۱۰. الحجر،رکوع:۳

۱۱. لقمان رکوع:۴

۱۲. المائدہ، رکوع:۵

۱۳. مشکواۃ جلد:۲، کتاب القصاص،ص: ۲۹۹

۱۴. ایضاً

۱۵. رواہ مسلم،مشکواۃ جلد:۲، کتاب القصاص،ص:۲۹۹

۱٦. مشکواۃ جلد:۲، باب حکم الاسراء ص:۳۴۷

۱۷. سورۃ نساء، رکوع:۱۳

۱۸. جامع البیان للطبری ،ج:۱ ،ص:۲۸۷ ،مصطفے البابی المصر

۱۹. جامع البیان للطبری ،ج:۱ ،ص:۲۸۵

۲۰. بعبارتہ قصص القرآن ،ج:۱ ،ص:۴۸۲ ،۴۸۳

۲۱. بعبارتہ قصص القرآن لمولانا حفظ الرحمن سہروردی،ج:۱ ،ص:۴۸۵

۲۲. قصص القرآن ،ج:۱،ص:۳۹۸.۳۹۷

۲۳. جامع البیان ،ج:۹،ص:۱۹

۲۴. الاعراف ،رکوع:۱۴

۲۵. ایضاً

۲۶. طه ، رکوع:۳

۲۷. قصص القرآن ،ج:۱،ص:۴۰۱

۲۸. طه ، رکوع:۳

۲۹. الشعراء ،رکوع:۳

۳۰۔ قرآن میں گردن کا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ سیدنا موسی علیہ السلام نے سیدنا ہارون علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ لئے اور انہیں کھینچ رہے تھے۔ واخذ براس اخیه یجره الیه (الاعراف) اسی طرح ڈاڑھی کی طرف صرف ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ داڑھی کو پکڑا جس سے سیدنا ہارون علیہ السلام آپ کو منع کر رہے ہیں۔ قال یا بن ام لاتاخذ بلحیتی ولا براسی (طہ) مولانا نے تاویل سے کام لیا ہے۔

۳۱. قصص القرآن ،ج:۱،ص:۴۵۷

۳۲. طه ،رکوع:۵

۳۳. البقره، رکوع:۳۵

۳۴. الانعام، رکوع:۹

۳۵. ص:۱۵۷.۱۵۶

۳۶. الانبیاء، رکوع:۵

۳۷. ج:۱،ص:۴۷۴.۴۷۳

۳۸. الهام الباری فی حل مشکلات البخاری،ص:۱۱۳.۱۱۲

۳۹. الانبیاء، رکوع:۵

۴۰. یوسف،رکوع:۷

۴۱. یوسف، رکوع:۷

۴۲. قصص الانبیاء طبع مصر،ص:۹۰

۴۳. یوسف، رکوع:۹
۴۴. اغاثة اللهفان،ج:۲،ص:۱۱۵
۴۵. یوسف،رکوع:۳
۴٦. ص، رکوع:۲
۴۷. حصه دوم ،ص:۸۷
۴۸. ص،رکوع:۳
۴۹. البقره، رکوع:۳۳
۵۰. ص،رکوع:۳
۵۱. ص،رکوع:۳
۵۲. ص،رکوع:۳
۵۳. قصص القرآن ،ج:۲،ص:۷۳
۵۴. جامع البیان،ج:۱۷، سورة انبیاء
۵۵. ص،رکوع:۴
۵٦. قصص القرآن ،ج:۲،ص:۱۹۵
۵۷. المبسوط ،ج:۳۰،ص:۲۰۹ کتاب الحیل
۵۸. المبسوط کتاب الحیل ج:۳۰،ص:۲۱۰
۵۹. قرة العینین،ص:۲۸
٦۰. منهاج السنة ،ج:۳،ص:۱۲۲ بمطبعة الکبری الامیریه
٦۱. بخاری،ج:۲،ص:۷۴۵.۷۴٦